خواتین کے لیے 80 احکامِ قرآن

کتاب اللہ کی روشنی میں عورتوں کے حقوق و فرائض

دارالسلام
DARUSSALAM

علامہ نواب محمد صدیق حسن خان بھوپالی رحمہ اللہ

ترتیب و تخریج ڈاکٹر ادریس حامد الصومالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

خواتین کے لیے

80 احکامِ قرآن

کتاب اللہ کی روشنی میں عورتوں کے حقوق و فرائض

خواتین کے لیے 80 احکامِ قرآن
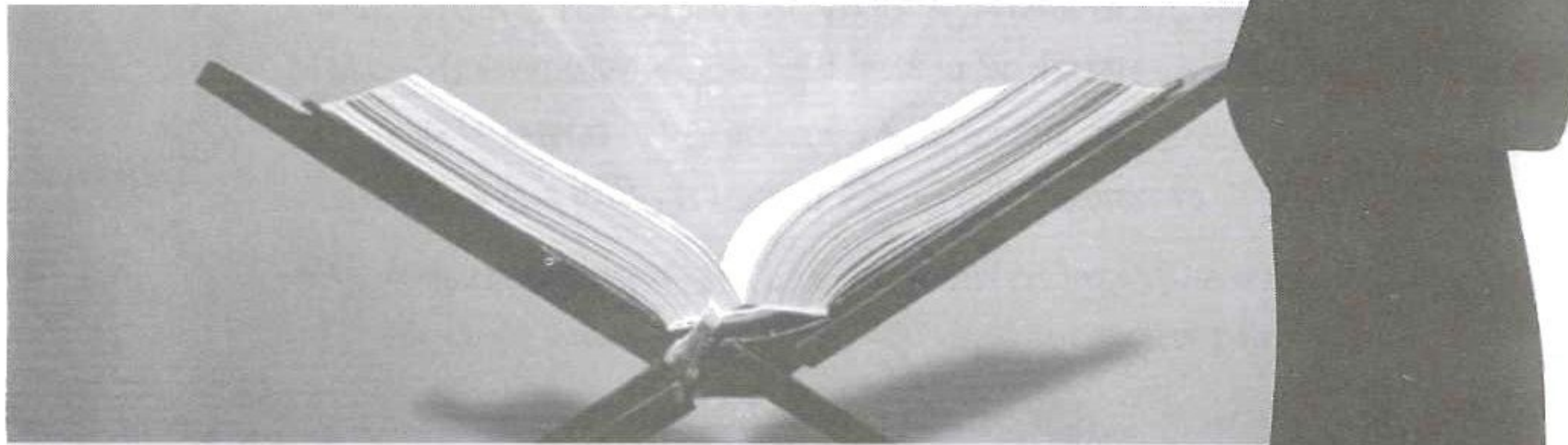
کتاب اللہ کی روشنی میں عورتوں کے حقوق و فرائض

علامہ نواب محمد صدیق حسن خان بھوپالی رحمہ اللہ

ترتیب و تخریج ڈاکٹر ادریس حامد الصومالی

ترجمہ مولانا محمد عثمان منیب

دار السلام
DARUSSALAM

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

بهادر، محمد صديق حسن

حسن الاسوة بما ثبت من الله ورسوله في النسوة - الاردية. / محمد صديق حسن بهادر - الرياض، ١٤٣١ هـ

ص: ٢٦٢ مقاس: ١٤×٢١ سم

ردمك: ٦-٧٠-٥٠٠-٩٩٦٠-٩٧٨

(اللغة الاردية)

١. الحديث - مباحث عامة ٢. المراة في الاسلام أ. العنوان

ديوي ٢١٩,١ ١٤٣١/٧١٤

رقم الإيداع: ١٤٣١/٧١٤

ردمك: ٦-٧٠-٥٠٠-٩٩٦٠-٩٧٨

دارُالسّلام
DARUSSALAM
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعُودی عرَب (ہیڈآفس)

پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب فون:4033962-4043432 1 00966 فیکس:4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.darussalam.com

- الریاض۔العلیا۔ فون:4614483 01 فیکس:4644945 ● الملز فون:4735220 01 ● سویلم فون:2860422 01
- مندوب الریاض: موبائل: 0503459695 ● قصیم (بریدہ): فون/فیکس:3696124 06 موبائل:0503417156
- مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948 ● مدینہ منورہ فون: 8234446 04 فیکس :8151121 موبائل:0504296740
- جدہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270 ● الخُبر فون:8692900 03 فیکس:8691551
- ینبع البحر فون/فیکس:3908027 04 ● خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 07

شارجہ فون:5632623 6 00971 امریکہ ہوسٹن:7220419 713 001 ● نیویارک:6255925 718 001
لندن فون:4885 539 208 0044 آسٹریلیا فون:4040 9758 2 0061

پاکستان (ہیڈآفس ومرکزی شورُوم)

لاہور 36- لوئرمال، سیکرٹریٹ سٹاپ
فون: 37232400-37240024-37324034 42 0092 فیکس:37354072 موبائل:0322-8484569
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

- غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون:37120054 فیکس:37320703 موبائل :0321-4439150
- مون مارکیٹ اقبال ٹاؤن فون:37846714 موبائل :0321-4156390
- Y-260 بلاک کمرشل ایریا، فیزIII ڈیفنس، لاہور فون :35692610 موبائل:0321-4212174

اسلام آباد F-8 مرکز، فون/فیکس :2281513 موبائل:0321-5370378
کراچی مین طارق روڈ، (D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی
فون:34393936 فیکس :34393937 موبائل:0321-2441843

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ

اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تروتازہ اور شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سُنی، پھر اسے یاد کرکے لوگوں تک پہنچا دیا

(سُنن ابوداؤد، العلم، حدیث: ٣٦٦)

مضامین

عرض ناشر 12
مقدمہ 17
1 مشرک عورتوں سے نکاح کا حکم 22
2 حیض سے پاک ہونے تک بیویوں سے ہم بستری کی ممانعت 24
3 مباشرت کا محل 25
4 مطلقہ عورتوں کی عدت اور مردوں کی عورتوں پر فضیلت کی تشریح 27
5 طلاق اور خلع کے مدارج 29
6 حلالہ کے احکام 31
7 عدت کا حکم اور خواتین پر ظلم کی ممانعت 34
8 عورتوں کو نکاح سے روکنے کی ممانعت 35
9 ماں کا بچے کو دودھ پلانے اور چھڑانے کا مسئلہ 37

10 جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت کا معاملہ 40
11 عدت میں پیغام نکاح اشارے کنائے ہی میں دینا چاہیے 43
12 بیوی کو یکجائی یا مہر کے تعین سے پہلے طلاق دینے کا مسئلہ 45
13 طلاق یافتہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا حکم 48
14 مریم علیہا السلام کی برگزیدگی 49
15 اللہ تعالیٰ کسی کے اعمال ضائع نہیں کرتا 52
16 حواء علیہا السلام کی تخلیق 54
17 ایک سے زیادہ شادیوں کا مسئلہ 57
18 والدین کے ترکہ میں بیٹیوں کا حصہ 61
19 میراث میں عورتوں کا حصہ 62
20 عورتوں کے زبردستی وارث بننے اور ان سے مہر واپس لینے کی خاطر طلاق...... 65
21 باپ کی بیویوں سے نکاح کی ممانعت 71
22 وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے 73
23 شوہر والی عورتوں سے نکاح کی حرمت 79
24 خواتین پر مردوں کی نگرانی اور نیک عورتوں کی تعریف 81
25 نافرمان عورتوں کا علاج 85
26 روٹھے ہوئے میاں بیوی میں صلح کرانے کا طریقہ 88
27 خواتین کے لیے نیکی کی زندگی پر جنت کی بشارت 90

28 زوجین کو مصالحت کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے 92
29 بیویوں میں سے کسی ایک ہی کی طرف میلان کی ممانعت 96
30 کلالہ کی میراث 99
31 پاک دامن اہل کتاب خواتین 102
32 چوری کرنے والی عورت کی سزا 105
33 اللہ تعالیٰ کے ساتھ والدین کا شرک 108
34 مومن عورتیں مستحقِ رحم ہیں 112
35 عزیز مصر کی بیوی کا بہکاوا 114
36 عورتوں کی چالیں 117
37 بیٹی کی ولادت پر اہل عرب کا منفی ردعمل 124
38 والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اور بدسلوکی کی ممانعت 126
39 شرمگاہ کی حفاظت 128
40 غیر شادی شدہ زانیہ کے لیے سو کوڑوں کی سزا 130
41 زانیہ اور مشرکہ سے نکاح 132
42 پاک دامن عورتوں پر تہمت کی سزا 134
43 میاں بیوی میں لعان کا معاملہ 137
44 کن لوگوں سے پردہ نہیں ہے؟ 144
45 غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کا نکاح کرنے کا حکم 148

46 لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرنے کی ممانعت 150
47 تین اوقات میں آتے وقت اجازت طلب کرنا 152
48 پردہ اور بوڑھی خواتین 155
49 قریبی رشتہ داروں کے گھر سے کھانا کھانے کی اجازت 157
50 میاں بیوی کا اولاد اور ایک دوسرے کے لیے دعا کرنا 161
51 میاں بیوی کی باہمی مودت و رحمت 164
52 ماؤں سے حسن سلوک کی تاکید 166
53 نبی ﷺ کی بیویوں اور عام عورتوں کو حصول علم اور عمل کا حکم 170
54 نیک خواتین کے لیے اجر وثواب 175
55 منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح 180
56 دخول سے قبل طلاق ہو جائے تو عدت نہیں 186
57 عورت اور پردہ 189
58 محرم سے پردہ نہ کرنے کا مسئلہ 193
59 پردے کے فوائد 195
60 بطن مادر کی تاریکیاں 198
61 حمل اور وضع حمل کے احوال اللہ ہی کے علم میں ہیں 200
62 اولاد دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی پر منحصر ہے 202
63 جھگڑتے وقت عورت بات واضح کرنے سے قاصر ہے 204

64 عورتیں جنت میں اپنے خاوندوں کے ساتھ ہوں گی 206
65 رضاعت کی مدت 208
66 والدین سے بدسلوکی کی ممانعت 210
67 خواتین کو ایک دوسرے کا مذاق اڑانے کی ممانعت 213
68 فضیلت کی بنیاد تقویٰ ہے 215
69 ظہار اور اس کا کفارہ 217
70 مہاجر عورتوں سے امتحان اور ان سے نکاح 225
71 عورتوں سے بیعت اور اس کے ارکان 230
72 بعض بیوی بچے دشمن! کیسے؟ 234
73 آغازِ عدت میں طلاق 237
74 حیض سے مایوس اور حاملہ عورتوں کی عدت 242
75 مطلقہ عورتوں کے نان ونفقہ اور بچے کو دودھ پلانے کا معاملہ 245
76 دو کافر عورتیں 250
77 دو مثالی مومن خواتین 252
78 عفت و پاکدامنی 256
79 اس خطا پر اسے مارا کہ خطاوار نہ تھی 258
80 جادوگر عورتوں سے پناہ 260

عرض ناشر

ہم اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوئے، نہ اپنی مرضی سے مریں گے۔ جب زندگی کی ابتدا ہماری مرضی کی ہے نہ انتہا تو پیدائش سے لے کر موت تک کی درمیانی زندگی بھی ہم اپنی مرضی سے بسر نہیں کر سکتے۔ یہ بیچ والی زندگی بھی اُسی خالق و مالک کے احکام کے مطابق گزارنی پڑے گی جس نے ہمیں پیدا فرمایا ہے۔ جو شخص اپنی مرضی کرتا ہے یا کرے گا، اسے حشر کے ہجوم و ہیجان میں حساب دینا ہوگا۔ ایک مومن صادق دل و دماغ کی گہرائیوں کے ساتھ اپنے آپ کو اپنے آقا و مالک کے سپرد کس طرح کر دیتا ہے، اس کا ایک ایمان افروز نقشہ اللہ جل شانہ کے اس ارشاد مبارک میں دیکھیے: بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور موت سب کچھ صرف اللہ رب العلمین ہی کے لیے ہے۔

من مانی زندگی سے اجتناب اور ''اطاعت الٰہی'' والی زندگی بسر کرنے کا اہتمام ہی ہمارا مقصدِ حیات ہے۔ اس اعتبار سے ہر فرد کو، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اپنی کامیابی کے لیے اطاعتِ ربانی کا فرض بہر حال پورا کرنا ہوگا۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی اپنے اعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہیں۔ اس جوابدہی کا اہتمام احساسِ

ذمہ داری، احکام الٰہی کی معرفت، احتسابِ عمل اور مجاہدۂ نفس کے بغیر ادا نہیں کیا جا سکتا۔

ختمی مرتبت رسالت مآب ﷺ کی بعثت سے پہلے عورت جس خواری اور سفا کی کا شکار تھی، اس سے کوئی پڑھا لکھا شخص بے خبر نہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے آئینِ تہذیب و تطہیر دے کر عالمِ انسانیت پر جو احسانِ عظیم فرمایا ہے اُس کا ایک نہایت گراں قدر پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو بھی قرآن کریم کی تعلیمات و تجلیات سے منور و مزین کیا۔ اس طرح انھیں تقدیس و تکریم کی اتنی اونچی مسند پر فائز کر دیا کہ مسلمانوں کے معاشرے میں سیدہ خدیجہ، سیدہ عائشہ، سیدہ فاطمہ، سیدہ صفیہ، سیدہ سُمیہ، سیدہ اُمِ سُلیم اور سیدہ خنساء رضی اللہ عنہن جیسی ارفع اور عظمت مآب خواتین پیدا ہوگئیں۔

دارالسلام کا مقصد وحید یہ ہے کہ قرآن و سنت کی تعلیمات کا نور عام ہو کر دنیا کے ہر فرد تک پہنچ جائے تاکہ وہ اس دنیا میں ایمان و یقین، خود اعتمادی، امن، عزت اور عافیت کی زندگی بسر کرے اور آخرت میں رب ذوالجلال کی رحمت، مغفرت اور جنت کا مستحق بن سکے۔ اِس مقصد کے تحت دارالسلام جہاں مردوں کے لیے مستند دینی لٹریچر فراہم کرتا ہے، وہیں وہ محترم خواتین کی تعلیم و تربیت اور تہذیب و توقیر کو بھی زبردست اہمیت دیتا ہے اور ان کے لیے اللہ رب العزت کی بندگی اور اتباعِ سنت کی راہ اُجاگر کرنے کی غایت سے بڑی نادر اور نہایت خوبصورت کتابیں شائع کرتا ہے۔ زیر نظر کتاب ''خواتین کے لیے 80 احکامِ قرآن'' اسی سلسلۃ الذہب کی نہایت اہم کڑی ہے۔

اصلاً یہ تالیف عربی زبان میں ہے۔ اس کا عنوان ''حُسْنُ الْأُسْوَةِ بِمَا

ثَبَتَ مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُولِهِ فِي النِّسْوَةِ'' ہے۔ اس کے مؤلف برصغیر پاک و ہند کے نامور عالم دین علامہ نواب محمد صدیق حسن خاں رحمہ اللہ ہیں۔ اللہ رب العلمین و احکم الحاکمین پروردگار کی یہ کیسی عجیب وعظیم کرشمہ گری ہے کہ اُس نے ماضی قریب کے محکومِ فرنگی ماحول اور ریاستی فشار میں قرآنی تعلیمات کی تفہیم وتشریح کا بے مثل کام اُس ہندی مسلمان سے لیا جس کی مادری زبان اُردو تھی۔ لیکن وہ وادی غیر ذی زرع کے زبان و بیان پر نہ صرف قدرت رکھتا تھا بلکہ اس کے دینی علوم کی دھاک ضرب المثل بن کر دور دور تک بیٹھی ہوئی تھی۔ نواب محمد صدیق حسن خاں رحمہ اللہ کی دینی بصیرت اور علمی وجاہتوں کا اندازہ زیرِنظر کتاب سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کی تہذیب ڈاکٹر ادریس حامد صومالی نے کی ہے۔ جس کا اردو میں ترجمہ دارالسلام کے فاضل رکن مولانا محمد عثمان منیب نے کیا ہے۔ ترجمہ شستہ اور شگفتہ ہے۔ اس کتاب میں خواتین کے بارے میں قرآن وسنت کے نہایت اہم احکام جمع ہو گئے ہیں۔

نکاح خانگی زندگی کی بنیاد ہے۔ اس کتاب کے پہلے ہی باب میں بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان کو کن عورتوں سے شادی کرنی چاہیے اور کن سے نہیں کرنی چاہیے۔ جن عورتوں سے نکاح حرام ہے، اُن کی پوری تفصیل بتا دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں سے نکاح کرنے کی جو ممانعت فرمائی ہے، اُس کی تشریح وضاحت سے کی گئی ہے۔ طلاق کے احکام سمجھائے گئے ہیں۔ عدت کی حکمت اور مدت بتائی گئی ہے۔ حلالہ کی لعنت آشکار کی گئی ہے۔ مطلقہ عورتوں سے نرمی اور نوازش کے سلوک اور شیرخوار بچوں کو دودھ پلانے کی مناسب اُجرت دینے کی تاکید اُجاگر کی گئی ہے۔ طلاق سے حتی الامکان بچنے اور میاں بیوی میں صلح کرانے کا طریقِ کار

بتایا گیا ہے۔ شوہر اور بیوی کے مابین ''لعان'' کے معاملے کی تشریح کی گئی ہے۔ غیر شادی شدہ عورتوں اور مردوں کے فوری نکاح کرنے کی اہمیت اور فضیلت جتلائی گئی ہے۔

ترکے اور میراث کے سلسلے میں خواتین سے جو سنگین ناانصافیاں روا رکھی جاتی ہیں، اُن کے سدِ باب کے لیے قرآن وسنت کے احکام کھول کھول کر بیان کیے گئے ہیں۔ مسلمان خاتون اپنے گھر کی ملکہ ہے۔ اسے گھر کی چار دیواری ہی میں رہنا چاہیے۔ گھر سے باہر جانے کی کوئی اہم ضرورت پیش آ جائے تو پردے کا بخوبی اہتمام کرنا چاہیے۔ اپنی زینت مخفی رکھنی چاہیے۔ زمین پر زور زور سے پاؤں مار کر چلنا کسی طور زیبا نہیں۔ کسی غیر مرد سے بات چیت کی نوبت آ ہی جائے تو خواتین کو اپنا لب و لہجہ اتنا بے گانہ رکھنا چاہیے کہ اُس کے دل میں کسی ناپاک خواہش کا ناگ سر نہ اُٹھائے، یہ ساری باتیں تسہیل اور تفصیل سے سمجھائی گئی ہیں۔

ہر مسلمان خاتون اور ہر مسلمان مرد کا اصل قلبی تعلق اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ بابرکات سے ہونا چاہیے۔ میاں بیوی کو خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے اظہارِ شکر و سپاس کرنا چاہیے اور ایک دوسرے کی فلاح کے علاوہ اپنی اولاد کی بھلائی اور پارسائی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا گو رہنا چاہیے۔ ماں باپ سے نہایت مہذب اور مہربانی کا سلوک کرنا چاہیے،...... یہ تمام امور قرآن کریم کی متعلقہ آیات اور احادیث کے حوالوں کے ساتھ کتاب میں بخوبی آ گئے ہیں مؤلف رحمہ اللہ کے قلم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ قرآن وسنت کی قلمرو سے باہر نہیں نکلے اور انھوں نے اپنی تمام تشریحات کو علمائے سلف کے اقوال و افکار سے مستحکم کیا ہے۔ فی الجملہ اس کتاب کی

تعلیمات مثالی مسلمان خواتین کی سیرت کا حسن ہیں۔ یہ تعلیمات توجہ کا رُخ باطن کی طرف پھیر دیتی ہیں۔ ظاہری اور باطنی تطہیر کی دعوت دیتی ہیں اور ہر خاتون کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں کہ میں کون ہوں؟ میری ہستی کا مقصد کیا ہے؟ بحیثیت مسلمان میرے فرائض کیا ہیں؟ حقوق کیا ہیں؟ خاتونِ خانہ کی حیثیت سے میرا کیا کردار ہے؟ اور نظمِ جہاں میں اپنا تخلیقی حصہ ڈالنے کے لیے مجھے شوہر کی خدمت اور تربیتِ اولاد کی کیسی کیسی عظیم اور بوقلموں ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں؟

یہ کتاب خود بھی پڑھیے اور اپنے عزیز و اقارب کو بھی اس کے مطالعے کی ترغیب دیجیے۔ آپ کی ترغیب سے کوئی محترم خاتون قرآن و سنت کی راہ پر چل پڑی تو اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ آپ کو جنت عطا فرمائے گا۔

شعبۂ فقہ ومتفرقات کے زیرِ اہتمام اس کتاب کی تیاری میں عزیز گرامی حافظ عبدالعظیم اسد کی فعال نگرانی، حافظ محمد ندیم، مولانا محمد مشتاق، مولانا تنویر احمد، قاری عبدالرشید اور جناب احمد کامران کی تصحیح وتہذیب، محمد رمضان شاؔد، اور وسیم احمد کیلانی کی کمپوزنگ اور ممتاز آرٹسٹ ہارون الرشید اور ان کے معاون اسد علی کی تزئین و آرائش جلوہ گر ہے۔ میں دارالسلام کے ان سب مؤقر ارکان کا بصمیمِ قلب شکر گزار ہوں۔

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر: دارالسلام۔ الریاض، لاہور

دسمبر 2009ء

مقدمہ

ہر قسم کی تعریف اس ذات باری کے لیے ہے جس نے پانی کی ٹپکائی گئی ایک بوند سے مرد اور عورت کا جوڑا پیدا کیا اور ان کی تخلیق کا اولین مقصد اپنے خالق کی عبادت قرار دیا تاکہ اس کے مخصوص کردہ دائرۂ کار میں رہ کر وہ زمین کی آبادکاری میں مشترکہ کردار ادا کریں۔ میں اسی حق سبحانہ وتعالیٰ ذاتِ بابرکات کی تعریف اور شکر کرتا ہوں جس نے شاکرین کے لیے مزید نوازشات کا اعلان کیا ہے۔

درود وسلام ہو اللہ رب العزت کی تمام مخلوق کے سردار حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ پر اور آپ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اور قیامت تک آپ کی پیروی کرنے والوں پر بھی اللہ کی رحمت ہو۔ اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں واضح کر دیا ہے کہ مرد اپنی تخلیق اور فطرت میں عورت کی طرح نہیں ہے۔ وہ تخلیقی طور پر کامل اور فطری طور پر قوی اور مضبوط ہے۔ اس کے برعکس عورت ناقص الخلقت، کمزور اور فطرتاً کم ہمت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے درمیان جسمانی، عقلی، فکری، جذباتی اور ارادی صلاحیتوں میں مختلف نوعیت کا فرق رکھا ہے۔ اس تفاوت ہی کی وجہ سے شریعت کے بعض احکام کا تعلق مرد اور

عورت میں سے صرف ایک جنس سے ہے، مثلاً: مردوں کو ان کی تخلیقی صلاحیتوں کی بنا پر گھر سے باہر کی ذمے داریاں ادا کرنے کی ہدایت کی۔ اسی طرح عورتوں کی تخلیق، فطرت، صلاحیت، نزاکت اور کمزوری کے باعث ان کے مناسب حال اُمور خانہ داری کی ذمہ داریاں ان کے سپرد کیں، ان میں سے اہم ترین ذمہ داری خاوند کی خدمت اور دیکھ بھال اور آئندہ کی خوب تر نسل کے لیے اولاد کی اچھی تربیت کرنا ہے۔

یہ تخلیقی تفاوت اللہ تعالیٰ کے تکوینی ارادے کی علامت ہے۔ مرد و عورت کو جداگانہ شرعی احکام کا مکلّف ٹھہرانا اس ذات باری تعالیٰ کے ارادۂ شرعیہ پر دلالت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبادات، معاملات، معاشرت اور نکاح وغیرہ میں کئی احکام صرف خواتین ہی کے لیے مختص ہیں۔ مثال کے طور پر عورت کے لیے پردے کا التزام، اسے گھر کی چار دیواری میں شمع خانہ کا کردار ادا کرنے کی تلقین، عبادات کے لیے مسجد کی بجائے گھر اور گھر میں بھی کسی مخصوص کمرے کی ترجیح، اذان و اقامت کی ذمے داری سے عورت کا استثنا، اس کے پورے وجود کو پردہ قرار دینا، اسے بلند آہنگ قراءت کی ممانعت، خواتین کے لیے جماعت کرانے کی کراہت اور مردوں کی امامت کرنے کی ممانعت، ان پر جمعہ، جماعت اور جہاد کے وجوب کا ساقط ہونا اور خطبۂ جمعہ وغیرہ دینے کی مطلق ممانعت اور محرم کے بغیر سفر وغیرہ ایسے احکام ہیں جن پر قدیم و جدید ہر دور میں کتابیں لکھی گئی ہیں اور یہ حقیقت ہر شک و شبہے سے بالاتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد و زن میں سے ہر ایک کے لیے جو احکام مقرر فرما دیے ہیں ان میں زبردست حکمتیں اور حسنات و برکات پوشیدہ ہیں:

① مرد و عورت کے اس واضح فرق پر ایمان لانا اور اسے تسلیم کرنا، چاہے یہ فرق حسی

ہو یا معنوی یا شرعی، ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کے لیے جو مقدر ٹھہرایا اور مشروع قرار دیا ہے، وہ اس پر بخوشی راضی اور خوشنود رہے۔

② کسی مسلمان مرد اور عورت کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ تفاوت میں اپنی گمراہ خواہش کو دخل دے اور صنفی تغیر و تبدل کی آرزو کرے کیونکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر نالاں ہے اور اس کی حکمت اور شریعت پر راضی نہیں ہے۔

③ جب اللہ تعالیٰ کی کتاب میں مرد و زن کے لیے مخالف صنفی خصوصیت کی تمنا بھی ممنوع ہے تو ان لوگوں کی نسبت کیا حکم ہوگا جو واضح صنفی فرق اور فاصلے کے باوجود اسے مٹانے کا مطالبہ کرتے ہیں اور مرد اور عورت کی مساوات کا ڈھونگ رچاتے پھرتے ہیں۔

عورتوں کے خصوصی احکام کے بارے میں لکھی جانے والی تصانیف میں سے ایک اہم کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا عنوان اس کے مؤلف نواب سید صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے ''حُسْنُ الْأُسْوَةِ بِمَا ثَبَتَ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ فِي النِّسْوَةِ'' رکھا ہے۔ اور اسے دو اجزاء میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے جز میں مصحف مقدس سے وہ آیات بیان کی ہیں جن میں بالخصوص عورتوں ہی کے احکام بیان کیے گئے ہیں، نیز احکام کی تفہیم و تشریح کے لیے بعض عام فہم اشارات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس جز میں غور و فکر کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے ابواب میں تکرار کی بہتات ہے۔ مزید برآں جلیل القدر مؤلف نے ابواب قائم کرنے میں یہ طریقہ اختیار کیا کہ آیات میں عورتوں کی طرف لوٹنے والی ضمائر کو بنیاد بنایا۔

دارالسلام نے اس گرانقدر کتاب کے افادات و برکات آسان زبان اور نئے لہجے میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں پرانے اسلوب تالیف میں تبدیلی کی ضرورت ناگزیر محسوس ہوئی۔ چنانچہ اب یہ عظیم کتاب نئے رنگ و آہنگ میں نہایت سلیس اور نفیس زبان میں نذر قارئین ہے۔

کتاب کی ترتیبِ جدید کے لیے ہم نے جو اقدامات کیے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

اصل کتاب 193 ابواب پر مشتمل ہے۔ ان ابواب کا بہ نظر غائر مطالعہ کر کے 80 ابواب چنے گئے۔ انھی ابواب پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ بعض ابواب میں آیات کی مناسبت سے بھی تبدیلی کی گئی ہے۔

راقم نے ادارے کی ہدایات کے مطابق آیات میں موجود نصائح اور احکام اجاگر کرنے کے لیے درج ذیل کتب سے بھی استفادہ کیا ہے:

① المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير.

② تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان. عبدالرحمٰن السعدي.

③ تفسير الطبري. ابن جرير الطبري.

④ فتح القدير. محمد علي الشوكاني.

⑤ حسن الأسوة. محمد صديق حسن خان.

اس کام کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

❁ آیات میں مندرج احکامِ نسواں کے بارے میں علمائے مفسرین کے اقوال جمع کر دیے گئے ہیں۔

❁ سورتوں کی ترتیب مصحف کی ترتیب کے مطابق کر دی ہے، مثلاً: بقرہ، آل عمران

وغیرہ۔ اسی طرح سورتوں میں مذکور آیات کی ترتیب بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔

❁ آیات کریمہ کے معانی مطلوبہ اختصار کے ساتھ پیش کرنے کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔

❁ آیات کی شان نزول وضاحت سے بتا دی گئی ہے کیونکہ اس سے واقعات کو صحیح تناظر میں سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

❁ آیات سے متعلقہ شرعی احکام اور فوائد کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے، اس کا عنوان ''تَهْذِيبُ حُسْنِ الْأُسْوَةِ بِمَا ثَبَتَ مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُولِهِ فِي النِّسْوَةِ'' ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو اس کے مصنف، مترجم، محقق، ناشر، قاری اور جملہ مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے لیے نفع بخش بنائے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کارساز حقیقی اور ہر امر پر قادر ہے۔

«وصلى اللّٰه على نبينا و على آله وصحبه وسلم»

ڈاکٹر ادریس حامد صومالی

1

مشرک عورتوں سے نکاح کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ﴾

''اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ ایک ایمان والی لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ (مشرکہ) تمھیں بھلی ہی لگے اور تم (مسلمان عورتیں) مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ مومن غلام، مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ (مشرک) تمھیں بھلا ہی لگے۔''[1]

درج بالا آیت کریمہ سے مومنوں کے لیے بت پرست مشرکہ عورتوں سے نکاح کرنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر عموم مراد لیا جائے تو پھر اہل کتاب کی

[1] البقرة 2:221.

مشرکہ عورتیں بھی اس حکم کے ضمن میں آتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان میں اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کے جواز کی تخصیص ہے:[1]

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾

''اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، جبکہ تم انھیں ان کے مہر دے دو، نیز انھیں نکاح کی قید میں لانے والے بنو نہ کہ بدکاری کرنے والے۔''[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما پہلی آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (دوسرے مقام پر) اس سے اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے کتابیہ عورت سے نکاح کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اس لیے ناپسند فرمایا تھا کہ لوگ مسلمان عورتوں سے بے رغبتی شروع نہ کر دیں یا دیگر کسی مصلحت کے پیش نظر ناپسند کیا تھا۔[3]

مذکورہ آیت میں اس بات کی صراحت ہے کہ مومنہ عورت اگر لونڈی بھی ہو تب بھی وہ آزاد مشرک عورت سے بدرجہا بہتر، افضل اور نفع بخش ہے۔ اس سے آزاد مومنہ عورت کی مشرکہ آزاد عورت پر فضیلت بالاولیٰ ثابت ہوتی ہے۔[4]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ مشرک مرد مومنہ عورت سے نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں اسلام کی ذلت ہے۔[5]

[1] المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير، ص: 160. [2] المآئدة 5: 5. [3] المصباح المنير، ص: 160، وتفسير الطبري: 2/390. [4] حسن الأسوة، ص: 17. [5] تفسير القرطبي: 2/67.

2

حیض سے پاک ہونے تک بیویوں سے ہم بستری کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝﴾

''اور (اے نبی!) لوگ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے: وہ تو گندگی ہے۔ تم حیض (کی حالت) میں عورتوں سے الگ رہو اور ان سے ہم بستری نہ کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ خوب پاک ہو جائیں (غسل کرلیں) تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے، بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جب کوئی عورت حائضہ ہوجاتی تو اس کے ساتھ کھاتے پیتے تھے نہ کمرے میں اس سے سکونت اور میل جول اختیار کرتے تھے۔ صحابۂ کرام نے نبی ﷺ سے اس کی بابت پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی۔[2] اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اِصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ»

[1] البقرة 2 : 222. [2] المصباح المنير، ص :161.

''فرج میں جماع کے سوا (اختلاط ومباشرت) سب کچھ کرو (جائز ہے۔)''[1]

آیت کے معنی: اگر آیت میں ثانی الذکر لفظ محیض کو مصدر مانیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دورانِ حیض میں ان سے مجامعت سے اجتناب کرو اور ان سے الگ رہو۔ اگر محیض کو اسم ظرف (مکان) تسلیم کریں تو پھر معنی ہوں گے کہ حیض والی جگہ، یعنی شرمگاہ میں مجامعت نہ کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجامعت ناجائز ہے، چھونا اور اختلاط کرنا حرام نہیں ہے۔ اسی طرح شرمگاہ کے علاوہ سے یا جسم سے ازار (کپڑا) ہٹا کر استمتاع لطف اندوز ہونا جائز ہے، اگرچہ اس مؤخر الذکر میں اختلاف ہے۔ جہاں تک حائضہ سے جماع کا تعلق ہے تو وہ بالاتفاق حرام ہے اور اس کا عقیدۂ حرمت ضروریات دین میں سے ہے۔[2]

فائدہ: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ دورانِ حیض عورت سے جماع کرنا حرام ہے۔ اسی طرح دبر جائے جماع نہیں ہے، اسے جماع کے لیے استعمال کرنے کی حرمت بھی ثابت ہوتی ہے۔

3

مباشرت کا محل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] صحيح مسلم، حديث: 302، و مسند أحمد : 132/3. [2] حسن الأسوة، ص : 18 نقلا عن فتح القدير : 286/1.

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾

''تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں، پس تم جس طرح چاہو، اپنی کھیتی میں آؤ۔''[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آیت میں مذکور لفظ ﴿حَرْثٌ﴾ سے مراد اولاد والی جگہ ہے۔[2]

مطلب یہ ہے کہ جیسے چاہو آگے پیچھے سے مباشرت کرو لیکن دخول صرف شرمگاہ (فرج) ہی میں ہو جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔[3]

آیت میں مذکور لفظ ﴿حَرْثٌ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ جماع کی اباحت صرف شرمگاہ، یعنی قبل میں ہے کیونکہ وہی اولاد کے پیدا ہونے کا محل ہے، جس طرح زمین نباتات کے اگنے کی جگہ ہے، اسی طرح یہاں انسان کی افزائش نسل کے لیے رحم میں ڈالے جانے والے نطفے کو زمین میں بوئے جانے والے بیج سے تشبیہ دی گئی ہے۔ دونوں میں قدرِ مشترک مادہ ہے۔

﴿فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ﴾ کا مطلب ہے کہ تم اپنی کھیتی اور اولاد پیدا ہونے کی جگہ، یعنی قبل کو جماع کے لیے استعمال کرو۔ اس آیت مقدسہ میں عورت کی شرمگاہ کو زمین سے، نطفے کو بیج سے اور اولاد کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔[4]

سلف صالحین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ بیوی کی دبر جماع کے لیے استعمال کرنا حرام ہے۔[5]

[1] البقرة 2 : 223. [2] تفسير الطبري: 404/2. [3] المصباح المنير، ص : 162. [4] حسن الأسوة، ص : 19. [5] حسن الأسوة، ص : 19.

4

مطلقہ عورتوں کی عدت اور مردوں کی عورتوں پر فضیلت کی تشریح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○﴾

''اور مطلقہ عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو حالت انتظار میں رکھیں اور ان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے پیٹ میں جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھپائیں، اگر وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہیں (تو ایسا ہرگز نہ کریں) اور ان کے خاوند اگر اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں تو وہ زیادہ حق دار ہیں کہ انھیں اس (مدت) میں لوٹا لیں اور دستور کے مطابق عورتوں کے لیے مردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے لیے عورتوں پر ہیں اور مردوں کے لیے ان پر ایک فضیلت ہے اور اللہ غالب، خوب حکمت والا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کا یہ حکم کہ وہ تین حیض تک اپنے آپ کو (نیا نکاح کرنے سے) روکے رکھیں، ان طلاق یافتہ عورتوں کے لیے ہے جن کے ساتھ خلوت صحیحہ، یعنی دخول ہو چکا

[1] البقرة 2 : 228.

ہو اور انھیں حیض بھی آتا ہو، یعنی ایسی عورتیں جنھیں ماہواری کا خون آتا ہے اور ان کے خاوند انھیں طلاق دے دیتے ہیں تو ایسی خواتین کے لیے ضروری ہے کہ تین حیض تک شادی نہ کریں۔ اس کے بعد اگر نئی شادی کرنا چاہیں تو کر لیں۔ [1]

آیت مذکورہ میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ جن عورتوں کو ان کے خاوند طلاق دے دیں وہ تین طہر یا حیض [2] تک (نیا نکاح کرنے کے لیے) انتظار کریں اور ان کے لیے اپنا حیض یا حالتِ حمل چھپانا جائز نہیں کیونکہ اس طرح اس سے بسا اوقات خاوند کو نقصان پہنچتا ہے اور اس کی حق تلفی ہوتی ہے، مثلاً: اگر عورت کہے کہ اسے حیض آ گیا ہے جبکہ حقیقتاً اسے حیض نہ آیا ہو تو اس نے گویا خاوند کے حقِ رجوع کا خاتمہ کر کے اس کی حق تلفی کی اور اگر کہے کہ اسے حیض نہیں آیا، حالانکہ اسے حیض آ چکا ہو تو اس طرح اس نے خاوند کے ذمے بے جا نفقہ ضروری ٹھہرا کر اسے نقصان پہنچایا۔ حمل کی بھی یہی صورت حال ہے کہ عورت بسا اوقات اسے چھپا کر خاوند کا حق رجوع ختم کر دیتی ہے۔ اور بسا اوقات نان نفقے کی غرض سے دعویٰ کر دیتی ہے کہ وہ حاملہ ہے۔ اسی طرح دیگر وہ تمام صورتیں جن سے خاوند کو نقصان پہنچانا مقصود ہو، ناجائز ہیں۔ اور عورت کے انقضائے عدت کے دعوے کی تصدیق کتنی مدت میں معتبر ہوگی؟ اس بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں۔

آیت مذکورہ میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ عورت کے نفی و اثبات، یعنی حیض یا حمل کی اطلاع کے بارے میں اس کی بات قبول کی جائے گی۔ [3]

[1] المصباح المنیر، ص: 165. [2] مطلقہ تین طہر عدت گزارے گی یا تین حیض اس میں اختلاف ہے، راجح تین حیض ہے۔ [3] حسن الأسوة، ص: 23.

اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ عورت جب تک حالتِ عدت میں ہے (اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی) اس کا خاوند اس سے رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے، بشرطیکہ اس کے واپس لانے کا مقصد اصلاح اور بھلائی ہو۔ رجوع کے لیے ضروری ہے کہ اس کا مقصد عورت کو ستانا نہ ہو بلکہ بسانا ہو۔ [1]

اسی طرح میاں بیوی کے حقوق بھی واضح کیے گئے ہیں اور ہر ایک کو نصیحت کی گئی ہے کہ وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے کا حق ادا کریں، نیز مردوں کی عورتوں پر فضیلت بھی بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں قدر و منزلت، تخلیقی اور اخلاقی بلندی سے سرفراز فرمایا، عورت پر اس کی اطاعت واجب ٹھہرائی، عورت پر خرچ کرنے اور اس کی ضروریات کی نگرانی کرنے جیسے احکام کی تعمیل کا اسے پابند بنایا اور دنیا و آخرت میں عورت پر فضیلت بخشی۔ [2]

5

طلاق اور خلع کے مدارج

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾

[1] المصباح المنیر، ص: 165. [2] المصباح المنیر، ص: 166.

’’طلاق (رجعی) دو مرتبہ ہے، پھر یا تو (عورت کو) دستور کے مطابق روک لیا جائے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دیا جائے اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم انھیں جو دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لو الّا یہ کہ دونوں کو ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے، پس اگر تمھیں ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیے میں وہ مال دے (کر خلع حاصل کر لے۔)‘‘[1]

اس آیت میں ابتدائے اسلام کے اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا جس کے تحت ایک آدمی اپنی بیوی کو عدت کے دوران میں واپس لانے کا حق رکھتا تھا، چاہے اس نے سو بار ہی طلاق دی ہوتی۔ اس میں بیویوں کا نقصان اور ان کی حق تلفی ہوتی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے طلاق کو صرف تین طلاقوں تک محدود کر دیا۔ پہلی اور دوسری کے بعد اس کے لیے رجوع کرنا جائز رکھا اور تیسری کے بعد رجوع کا حق ختم کر کے مکمل علیحدگی کر دی اور بیوی کو آزاد کر دیا۔[2]

اس آیت میں یہ بات وضاحت سے بتا دی گئی ہے کہ مردوں کو صرف دو طلاقیں دینے کے بعد تک رجوع کا حق ہے اور تیسری طلاق کے بعد ان کا حق رجوع ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ’’مرتان‘‘ کہا ہے ’’طلقتان‘‘ نہیں کہا، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد دوسری دینی چاہیے، بیک وقت دینی جائز نہیں ہیں۔[3]

ابو عمرو فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت کی مکمل آزادی دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق دینے پر ہوتی ہے، یعنی اس کے بعد مرد کو حق رجوع

[1] البقرة 2 : 229. [2] المصباح المنير، ص : 166. [3] حسن الأسوة، ص : 25.

نہیں رہتا۔

تین طلاقیں بیک وقت اور ایک ہی مجلس میں دینے اور ان کے واقع ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے، نیز تینوں مؤثر ہوں گی یا بیک وقت اور ایک مجلس کی تینوں ایک شمار ہو گی، اس میں بھی علماء کی مختلف آراء ہیں۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ تینوں مؤثر ہو جائیں گی۔ دوسرے کئی علماء کا موقف یہ ہے کہ بیک وقت اور ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہو گی۔ اور یہی رائے حق ہے۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے اپنی مؤلفات میں اسے زور دار طریقے سے ثابت کیا ہے۔[1] اور اس بارے میں مستقل رسالہ لکھا ہے۔[2] اور اللہ تعالیٰ نے مردوں کو اس بات سے روکا ہے کہ وہ طلاق کے وقت عورتوں سے حق مہر کی واپسی کا مطالبہ کریں، بالخصوص جب ان کا مقصد انھیں نقصان پہنچانا ہو، یعنی نہ انھیں گھر میں بسائیں اور نہ طلاق دیں بلکہ طلاق دینے کے لیے دیا ہوا مال واپس طلب کریں جبکہ عورت نے اپنی طرف سے طلاق لینے کا کوئی ارادہ بھی ظاہر نہ کیا ہو۔

6

حلالہ کے احکام

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾

[1] فتح القدير :1/302,301. [2] حسن الأسوة، ص: 25.

"پھر اگر وہ (خاوند) اسے (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد وہ (عورت) اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے، پھر اگر وہ بھی اسے طلاق دے دے تو ان دونوں (سابقہ میاں بیوی) پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں رجوع کر لیں اگر وہ دونوں خیال کریں کہ اللہ کی حدیں قائم رکھ سکیں گے۔"[1]

اس آیت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ تیسری طلاق کے بعد رجوع نہیں ہوسکتا، یعنی جب مرد عورت کو پہلے دو طلاقیں دے چکا ہو، پھر اس کے بعد تیسری طلاق بھی دے دے تو وہ عورت اس کے لیے حرام ہوجائے گی۔[2] اب یہ اس کی طرف رجوع کرسکتا ہے نہ اس سے نیا نکاح کرسکتا ہے تاوقتیکہ وہ عورت عدت گزارنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ اس سے مجامعت بھی کرے جیسا کہ ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ سے واضح ہوتا ہے۔ یاد رہے! اس نکاح میں دو چیزیں شرطِ لازم ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ نیا مرد اس عورت کو بیوی بنا کر باقاعدہ بسانے کی غرض سے نکاح کرے، محض دوسرے کے لیے اسے حلال کرنے کا منصوبہ یا مقصد نہ ہو۔ دوسری شرط یہ کہ مرد نے اس سے مجامعت بھی کی ہو۔[3]

اس حکم کو مشروع قرار دینے کی حکمت یہ ہے کہ کوئی شخص طلاق دینے میں جلد بازی سے کام نہ لے اور تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کی تمنا اور اس عورت سے رغبت نہ رکھے۔[4]

[1] البقرة 2 : 230. [2] المصباح المنير، ص : 168. [3] حسن الأسوة، ص : 27. [4] حسن الأسوة، ص : 27.

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر مطلقہ عورت کے نکاح ثانی کا مقصود اور مطمحِ نظر محض یہ ہو کہ نیا شوہر اسے سابقہ شوہر کے لیے حلال کرنے کی راہ ہموار کردے تو یہ فعل سراسر حرام اور دلائل کی رو سے موجب لعنت ہے۔ ایسا کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے، دونوں کی شریعت نے مذمت کی ہے اور حلال کرنے والے کو کرائے کا سانڈ قرار دے کر ملعون ٹھہرایا ہے اور ایسا کروانے والا بھی ملعون ہے۔[1]

حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے کیا جارہا ہو دونوں پر لعنت کی بہت سی احادیث وارد ہیں، ان میں سے ایک درج ذیل ہے:

«لَعَنَ النَّبِيُّ ﷺ اَلْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»

"نبیٔ اکرم ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے، دونوں پر لعنت کی ہے۔"[2]

اللہ تعالیٰ نے حلالہ کی ایک ہی جائز صورت بیان کی ہے جس کی رو سے عورت تین طلاقیں ہوجانے کے بعد پہلے خاوند کے لیے حلال ہوسکتی ہے۔ وہ صورت یہ ہے کہ وہ سابق شوہر کے عقد زوجیت سے نکلنے کے بعد مقررہ عدت پوری کرکے اپنی آزادانہ مرضی سے نیا نکاح کرے۔ اب اگر اس کا نیا شوہر اسے کسی وجہ سے طلاق دے دے یا فوت ہوجائے تو وہ عدت گزار کر اپنے پہلے خاوند سے یا کسی اور مرد سے نکاح کرنا چاہے تو کرسکتی ہے۔ مرد کا عورت کو پہلے خاوند سے نکاح کرنے کی غرض سے طلاق دینا یا عورت کا پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کے لیے طلاق کا مطالبہ کرنا درست نہ ہوگا۔

[1] حسن الأسوة، ص: 27. [2] مسند أحمد : 323/2، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في المحل والمحلل له، حديث: 1120.

اگر حلالہ کی مذکورہ صحیح صورت کے بعد عورت پہلے خاوند سے نکاح کرتی ہے تو یہ نکاحِ جدید شمار ہوگا اور پہلے نکاح میں دی گئی طلاقوں کا اعتبار ساقط ہو جائے گا اور اب نئے نکاح کی تین طلاقوں کا حق مرد کے پاس ہوگا۔[1]

7

عدت کا حکم اور خواتین پر ظلم کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا﴾

''اور جب تم عورتوں کو (پہلی یا دوسری) طلاق دو، پھر ان کی عدت پوری ہونے کو ہو تو انھیں دستور کے مطابق روک لو یا انھیں دستور کے مطابق چھوڑ دو اور انھیں ستانے کے لیے نہ روکو تاکہ تم زیادتی کرو۔''[2]

اللہ عزوجل نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو رجعی طلاق (جس میں رجوع کا حق ہو) دے تو دورانِ عدت میں اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور جب عدت ختم ہونے کو ہو تو اگر اسے اپنی زوجیت میں رکھنا چاہے تو اچھے طریقے سے اس سے مصالحت کرلے اور رجوع کرنے پر گواہ مقرر کرلے، پھر دستور کے مطابق رجوع کی نیت کرلے ورنہ اس کی عدت پوری ہونے پر اسے اپنے گھر سے

[1] فتح القدير: 416/1، وحسن الأسوة، ص: 28. [2] البقرة 2: 231.

باعزت رخصت کردے، اسے برا بھلا کہے نہ گالی گلوچ کرے بلکہ بغیر مخاصمت کے شریفانہ طور پر اسے گھر سے روانہ کردے۔[1] (یاد رہے پہلی یا دوسری طلاق کے بعد عورت عدت اپنے خاوند ہی کے گھر گزارے گی)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں: صورت حال یوں تھی کہ آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیتا اور جب عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی تو عورت کو اذیت دینے کے لیے رجوع کرلیتا تاکہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے، پھر طلاق دے دیتا اور جب عدت ختم ہونے کو ہوتی تو مزید طلاق دے دیتا تاکہ اس کی عدت کا دورانیہ نئی طلاق سے شروع ہو کر بڑھ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرزِ عمل سے منع فرما دیا اور ایسا کرنے پر شدید سزا کی وعید سنائی۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾

''اور جو (شخص) ایسا کرتا ہے، یقیناً اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔''[3]

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرکے اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

8

عورتوں کو نکاح سے روکنے کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] المصباح المنير، ص: 169,168. [2] المصباح المنير، ص: 169، وتفسير ابن أبي حاتم: 425/2. [3] البقرة 2: 231.

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تم انھیں اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کریں جبکہ وہ دستور کے مطابق آپس میں راضی ہوں۔''[1]

درج بالا آیت میں فرمایا ہے کہ اگر عورت دستور کے مطابق پہلے خاوند سے نکاح کرنا چاہے تو اس کے ولی کو اس کی مزاحمت نہیں کرنی چاہیے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: یہ آیت ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دیتا ہے۔ جب اس مطلقہ کی عدت گزر جاتی ہے تو اس شخص کا پروگرام بنتا ہے کہ دوبارہ نکاح کر کے اسے واپس لے آئے اور عورت بھی اس پر رضامند ہے لیکن اس عورت کے اولیاء اسے ایسا کرنے سے روکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انھیں روکنے سے منع فرمایا ہے۔[2]

مذکورہ بالا آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ عورت بذاتِ خود آزادانہ اپنا نکاح نہیں کرسکتی بلکہ اس کے ولی اور سرپرست کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ امام ترمذی اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں صراحت کی ہے۔[3]

حدیث نبوی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ، وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا، فَإِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِي تُزَوِّجُ نَفْسَهَا»

[1] البقرة 2 : 232. [2] المصباح المنير، ص : 169. [3] المصباح المنير، ص: 170,169.

''کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے۔ بے شک زانیہ ہی اپنا نکاح از خود کرتی ہے۔''[1]

مذکورہ بالا آیت سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اور ان کی بہن کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں اس کا ذکر کیا ہے۔[2]

قصہ یوں ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن جمیلہ رضی اللہ عنہا کی شادی عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے کی۔ وہ ان کی زوجیت میں کچھ وقت رہیں، پھر عاصم نے انھیں ایک طلاق دے دی اور رجوع نہ کیا یہاں تک کہ ان کی عدت گزر گئی۔ یہ دونوں اکٹھے رہنا چاہتے تھے مگر معقل نے جمیلہ کی نسبت خطاب سے کر دی اور عاصم سے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کا نکاح آپ سے ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ معقل نے جب یہ آیت سنی تو کہا: میں اپنے رب کے ارشاد کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں، پھر عاصم کو بلا کر کہا: میں اس (جمیلہ) کا نکاح تجھ سے کرتا ہوں اور تیری عزت بھی کرتا ہوں۔[3]

9

ماں کا بچے کو دودھ پلانے اور چھڑانے کا مسئلہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] سنن ابن ماجه، النكاح، باب لانكاح إلابولي، حديث: 1882. [2] فتح الباري : 40/8.
[3] المصباح المنير، ص : 170، وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة،◂◂

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

''اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں، (یہ حکم) اس شخص کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے (اس صورت میں) باپ کے ذمے ہے کہ ان (ماؤں) کو دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا دے، کسی جان پر اس کی گنجائش سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈالا جائے، نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے (تنگ کیا جائے) اور (اگر باپ مر جائے تو) اس کے وارث کا یہی ذمہ ہے، پھر اگر دونوں (ماں باپ) آپس کی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانے کا ارادہ کریں تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تم ارادہ کرو کہ اپنی اولاد کو کسی اور عورت سے دودھ پلواؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم وہ معاوضہ ادا کر دو جو تم نے دستور کے مطابق دینا طے کیا ہو۔''[1]

یہ اللہ تعالیٰ کی ماؤں کو ہدایت ہے کہ وہ اپنی اولاد کی مدت رضاعت مکمل کریں۔ یہ مدت صرف دو سال ہے، اس کے بعد رضاعت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اس لیے فرمایا:

﴿لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾

◀◀ حدیث: 2981. [1] البقرة 2: 233.

''جو مدت رضاعت پوری کرنا چاہے۔''[1]

لہٰذا رضاعت سے حرمت اسی وقت ثابت ہوگی جب دو سال کے اندر اندر دودھ پلایا ہو۔ اگر کسی بچے نے دو سال کی عمر کے بعد دودھ پیا تو وہ محرم نہیں بنے گا۔[2]

آیت میں مذکور تاکید دلالت کرتی ہے کہ مدت رضاعت دو سال ہی ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اس سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے موقف کی بھی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ مدت رضاعت اڑھائی سال ہے اور امام زفر کے قول کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ مدت رضاعت تین سال ہے۔[3]

مذکورہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مدت رضاعت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے۔ ضروری نہیں کہ پورے دو سال ہی دودھ پلایا جائے بلکہ بچے کی اچھی صحت یا کسی اور وجہ سے دو سال سے کم مدت تک بھی دودھ پلایا جا سکتا ہے۔ بچے کے والد کے ذمے فرض ہے کہ اپنے بچے کی ماں کو دستور کے مطابق خوراک اور لباس مہیا کرے، چاہے وہ اس کے عقد نکاح میں ہو یا اسے طلاق دے چکا ہو اور یہ عمل ہر شخص کی استطاعت کے مطابق ہوگا۔[4]

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس نابالغ اولاد کا جس کے پاس مال نہیں ہے، خرچہ بھی والد کے ذمے ہے۔[5]

آیت میں زوجین کے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے اور اذیت دینے سے منع کیا گیا ہے، یعنی ایسا نہ ہو کہ خاوند اس کی حق تلفی کرے، اسے نان نفقہ نہ دے یا اس سے اس کا بچہ

[1] البقرة 2: 233. [2] المصباح المنير، ص: 170. [3] حسن الأسوة، ص: 31,30. [4] حسن الأسوة، ص: 31. [5] تفسير القرطبي: 163/3.

بلاوجہ چھین لے۔ اور ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ بیوی بچے کی وجہ سے خاوند کو اذیت دے اور اتنا خرچ مانگے جو خاوند کی استطاعت سے بڑھ کر ہو یا کوئی بھی ایسی صورت اختیار کرنی منع ہے جس سے زوجین میں سے کسی ایک کو بھی نقصان یا اذیت پہنچے۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی صراحت فرمائی کہ اگر والدین باہمی رضامندی سے بچے کی مصلحت کی خاطر دو سال سے پہلے ہی اس کا دودھ چھڑوانا چاہیں تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اگر والدین باہمی مشورے سے کسی اور عورت سے دودھ پلوانا چاہیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اگر عورت طلاق ہوجانے کے بعد بچے کو کچھ عرصہ دودھ پلاتی ہے، پھر اس کے کسی عذر کی وجہ سے یا باپ کے کسی عذر کی بنا پر باہمی رضامندی سے والد اپنے بچے کو کسی اور عورت سے دودھ پلوانا چاہتا ہے تو اچھے طریقے سے اس کی سابقہ اجرت ادا کرکے کسی اور سے دودھ پلوا سکتا ہے۔[2]

آخر میں اللہ تعالیٰ نے ہر حال میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اپنے بندوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ اللہ رب العزت ان کے تمام اقوال، اعمال اور احوال پر نظر رکھتا ہے اور اس کی نگران نگاہ سے ان کی کوئی چیز مخفی نہیں۔

10

جس عورت کا خاوند فوت ہوجائے اس کی عدت کا معاملہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] حسن الأسوة، ص :31. [2] المصباح المنير، ص :171.

﴿وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

"اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ چار ماہ دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں، پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں، وہ اپنی ذات کے معاملے میں دستور کے مطابق جو چاہیں کریں (انھیں اختیار ہے۔)"[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کو جن کے خاوند فوت ہوجائیں حکم دیا ہے کہ وہ چار ماہ دس دن عدت گزاریں۔ اس میں وہ عورتیں جن سے خلوت صحیحہ، یعنی مباشرت ہوچکی ہو یا ابھی تک خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو بلکہ محض نکاح ہی ہوا ہو، سبھی شامل ہیں۔ اس بات پر اجماع ہے۔[2]

چار ماہ دس دن عدت گزارنے کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ جنین اگر مذکر ہوتو عموماً تین ماہ میں اور مؤنث ہوتو چار ماہ میں حرکت شروع کردیتا ہے۔ دس دن مزید عدت اس لیے مقرر کی کہ اگر جنین کمزوری کی وجہ سے کچھ تاخیر سے حرکت کرے، تب بھی معلوم ہوجائے۔ لیکن اس کی حرکت کرنے میں اس سے زیادہ تاخیر نہیں ہوتی۔[3]

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عدت ہر اس عورت کے لیے ہے جس کا خاوند فوت ہوجائے چاہے وہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔ لیکن حاملہ عورت اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کی عدت وضع حمل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] البقرة 2 : 234. [2] المصباح المنير، ص :171. [3] حسن الأسوة، ص :33,32.

﴿وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾

''اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل تک ہے۔'' [1]

جمہور علماء کا موقف بھی یہی ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ صحیح حدیث میں نبیٔ اکرم ﷺ سے اسی طرح مروی ہے کہ آپ نے سبیعہ اسلمیہ کو وضع حمل کے بعد شادی کی اجازت دے دی تھی۔ [2]

مذکورہ آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے، وہ عدت سوگ بھی منائے، یعنی حالت غم میں رہے۔ اس کی تصدیق صحیحین کی حدیث سے ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا»

''جو عورت اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ احداد کرے۔ ہاں، خاوند کی وفات پر چار ماہ دس دن تک احداد کرے۔'' [3]

احداد (سوگ منانے) کا مطلب یہ ہے کہ زیب و زینت ترک کر دے، خوشبو نہ لگائے، زیور اور بھڑکیلا لباس وغیرہ نہ پہنے اور یہ اس کے لیے واجب ہے۔

عورت بوڑھی ہو یا بچی، آزاد ہو یا لونڈی، کتابیہ ہو یا مسلمان آیت کے عموم کے

[1] الطلاق 4:65. [2] فتح الباري: 834,833/8. [3] صحيح البخاري، الطلاق، باب تحد المتوفي عنها، حديث: 5334، وصحيح مسلم، الطلاق، باب وجوب الإحداد......، حديث: 1486.

پیشِ نظر عدت وفات گزارنے میں سبھی برابر ہیں۔ [1]

11

عدت میں پیغامِ نکاح اشارے کنائے ہی میں دینا چاہیے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ڛ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾

''اور اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کی عدت کے دوران میں انھیں اشارے کنائے میں نکاح کا پیغام دو یا تم اپنا ارادہ اپنے دلوں میں چھپائے رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ بے شک تم ان عورتوں کا ذکر ضرور کرو گے لیکن ان سے نکاح کا خفیہ وعدہ نہ کرو مگر یہی کہ دستور کے مطابق بات کہو اور عقدِ نکاح باندھنے کا فیصلہ مت کرو یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔'' [2]

عورت عدتِ وفات گزار رہی ہو یا طلاق بائنہ کی عدت شوہر کی زندگی میں، ہر دو صورتوں میں اسے صراحتاً پیغام نکاح دینا درست نہیں ہے، ہاں! طلاق بائنہ والی کو اس کا طلاق دینے والا خاوند صریحاً پیغام نکاح دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا﴾ ''لیکن ان سے خفیہ پختہ عہد نہ کرلو'' کا یہی مفہوم ہے، البتہ

[1] المصباح المنير، ص: 172 بتصرف. [2] البقرة 2: 235.

اشارے کنائے سے پیغام نکاح دینے کی اجازت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد عالی کے مطابق اس میں کوئی گناہ نہیں۔

صراحت اور اشارے کنائے میں فرق یہ ہے کہ صراحت میں نکاح کے علاوہ کسی اور بات کا احتمال نہیں ہوتا، اس لیے اس خوف سے کہ عورت نکاح میں رغبت کی وجہ سے جلد بازی کرلے اور عدت پوری ہونے کے معاملے میں جھوٹ کی مرتکب ہو، اس لیے اس گناہ سے بچنے کے لیے تصریحِ پیغامِ نکاح حرام قرار دی گئی ہے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ حرام کی طرف لے جانے والے وسائل بھی ممنوع ہیں۔ اور عدت پہلے شوہر کا حق ہے جسے کسی دوسرے شخص سے نکاح کا خفیہ عہد و پیمان کیے بغیر پورا کرنا ضروری ہے، اس لیے شریعت نے کسی اور مرد سے نکاح کے وعدے کا سد باب کرکے پہلے خاوند کا حق برقرار رکھا ہے۔

رہی تعریض تو اس میں نکاح کے علاوہ دیگر کئی باتوں کا بھی احتمال ہوسکتا ہے اور یہ تعریض بائنہ عورت کے لیے بھی جائز ہے، جیسے کوئی کہے: میرا شادی کا ارادہ ہے یا کہے: جب تمھاری عدت گزر جائے تو (شادی کے بارے میں) مجھ سے مشورہ کرلینا۔ ......اس نوعیت کا اشارہ جائز ہے۔

اس لیے کہ تعریض تصریح کی مانند نہیں ہے اور نفوس انسانی کے اندر اس کا قوی داعیہ موجود ہوتا ہے۔[1] چنانچہ وہ تعریض سے بھی سمجھ جاتے ہیں۔

اس آیت میں پیغام نکاح بھیجنے والوں کو اس امر کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ عدت گزرنے سے پہلے نکاح کا بندھن مضبوط نہ کریں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، شعبی،

[1] تفسير السعدي، ص: 105.

قتادہ اور ربیع رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی موقف ہے۔ اور علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ دوران عدت کیا گیا عقدِ نکاح ساقط الاعتبار ہوگا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے دل میں عورتوں کے بارے میں چھپی ہوئی باتوں پر تنبیہ کرتے ہوئے رہنمائی فرمائی ہے کہ ان کے بارے میں ہمیشہ بھلائی اور خیر خواہی کی نیت رکھو، برائی کی نیت نہ رکھو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رحمت و عنایت سے مایوس نہیں کیا۔[1]

لٰہذا فرمایا: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝﴾ کہ جس سے گناہ سرزد ہوجائے اور وہ اس سے توبہ کرکے اپنے رب کی طرف رجوع کرلے اس کے لیے اللہ تعالیٰ غفور ہے۔ اور اللہ رب العزت کی ایک صفت جلیلہ یہ ہے کہ وہ حلیم ہے، یعنی نافرمانوں کا ان کی معصیتوں پر جلد مؤاخذہ نہیں کرتا، حالانکہ وہ اس کی قدرت رکھتا ہے۔[2]

12

بیوی کو یکجائی یا مہر کے تعین سے پہلے طلاق دینے کا مسئلہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ ۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ

[1] المصباح المنير، ص: 174,173 بتصرف. [2] تفسير السعدي، ص: 106.

وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّآ أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوٓا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ﴾

''تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جبکہ تم نے انھیں ہاتھ نہ لگایا ہو اور نہ ان کے لیے کچھ مہر مقرر کیا ہو اور انھیں کچھ مال و متاع دے دو، وسعت والے آدمی پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق فائدہ پہنچانا ہے معروف طریقے سے، (یہ) نیکی کرنے والوں پر لازم ہے۔ اور اگر تم انھیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو جبکہ تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو تو اس (مہر) کا نصف ادا کرنا ہوگا جو تم نے مقرر کیا ہو۔ ہاں! وہ عورتیں چاہیں تو (مہر) معاف کر سکتی ہیں یا وہ شخص معاف کر سکتا ہے جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے اور تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم آپس میں بھلائی اور احسان کا برتاؤ کرنا مت بھولو۔''[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عقد نکاح کے بعد اور خلوت صحیحہ، یعنی دخول سے پہلے طلاق دینے کو جائز قرار دیا ہے مزید برآں اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کو کچھ مالی فائدہ بہم پہنچانے کا حکم بھی دیا ہے، یہ دراصل اس کے نقصان کا معاوضہ ہے۔ (ظاہر ہے نکاح ہونے کے بعد طلاق ہو جانے سے اس کی حیثیت میں فرق پڑ جاتا ہے۔) اس لیے خاوند کو اپنی استطاعت کے مطابق دلجوئی کا حکم ہے۔ فراخ دست پر اس کی طاقت کے مطابق اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق۔[2] مردوں پر

[1] البقرۃ 2 : 237,236. [2] المصباح المنير، ص : 174.

اپنی بیویوں کو چھونے اور حق مہر مقرر کرنے سے پہلے (کسی وجہ سے) طلاق دینے میں کوئی گناہ نہیں ہے، ہر چند اس میں عورت کے لیے نقصان ہے، تاہم کچھ دے دینے سے ان کے نقصان کی تلافی اور دلجوئی ہو جاتی ہے۔ نیکوکار لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ خوش دلی سے مال دینے کے ساتھ ساتھ ان کی دل جوئی بھی کریں اور ان کے اس حق میں کوئی کمی نہ کریں، پس جیسے وہ عورتوں کی امید و اشتیاق اور تمنائے رفاقت کا سبب بنے لیکن انھیں اپنی رفاقت نہ دے سکے تو اس کے بدلے میں انھیں فائدہ پہنچانا ضروری ہے۔[1]

اور اگر تم مہر مقرر کرنے کے بعد ان سے ملاپ سے پہلے طلاق دے دو تو مطلقہ عورتوں کے لیے طے شدہ مہر میں سے نصف مہر ہے اور باقی نصف تمھارا ہے۔ مہر کی یہ رقم اگر عورت کی طرف سے معاف نہ کی جائے تو خاوند پر اس کی ادائیگی واجب ہے اور اگر عورت برضا و رغبت معاف کر دے تو پھر مرد کے ذمے ادائیگی ضروری نہیں۔

رہا وہ شخص جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کون ہے؟ اس سے مراد شوہر ہے یا عورت کا ولی۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد خاوند ہے کیونکہ وہی نکاح کی گرہ کھول سکتا ہے اور عورت کے ولی کے لیے تو یہ کسی طور درست نہیں کہ وہ عورت کے کسی حق واجب کو معاف کر دے کیونکہ وہ اس کا مالک ہے نہ وکیل۔[2]

شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی رحمہ اللہ نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے کہ اس سے مراد عورت کا ولی، یعنی باپ وغیرہ ہے، وہ فرماتے ہیں...... مجھ پر یہ واضح ہوا کہ جس

[1] تفسير السعدي، ص : 106. [2] المصباح المنير، ص: 174، وتفسير السعدي، ص : 106.

کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، وہ قریب ترین ولی ہے اور وہ باپ ہے۔ لفظی اور معنوی اعتبار سے یہی قول زیادہ صحیح ہے۔[1]

13

طلاق یافتہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾

''اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو انھیں بھی دستور کے مطابق کچھ دے دلا کر رخصت کیا جائے۔''[2]

جو علماء ہر مطلقہ کے لیے متعہ (فائدہ پہنچانے) کے وجوب کے قائل ہیں، انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ ان کے نزدیک ہر مطلقہ، خواہ اس کا حق مہر مقرر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اسے چھونے سے پہلے طلاق ہو جائے یا خلوت صحیحہ کے بعد، انھیں بہرحال فائدہ پہنچایا جائے گا۔ سلف میں سے سعید بن جبیر رحمہ اللہ وغیرہ کا یہی موقف ہے۔[3]

ہر طلاق یافتہ عورت کو دستور کے مطابق خوش دلی سے فائدہ پہنچانا ہر متقی پر واجب ہے تاکہ عورت کی دلجوئی ہو سکے اور اس کے بعض حقوق ادا ہو سکیں۔[4]

حضرت عبدالرحمٰن بن زید اس آیت کی شان نزول بیان کرتے ہوئے فرماتے

[1] تفسير السعدي، ص: 106. [2] البقرة 2: 241. [3] المصباح المنير، ص: 178. [4] تفسير السعدي، ص: 107.

ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل کی:

﴿ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾

''دستور کے مطابق فائدہ دینا نیکوکاروں پر لازم ہے۔''[1]

تو ایک شخص نے کہا: (کیونکہ یہ احسان ہے، اس لیے) اگر میں احسان کرنا چاہوں تو کروں اور نہ چاہوں تو نہ کروں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ﴿ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ.... ﴾ نازل فرمائی۔[2]

جب اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم مسائل ذکر فرمائے جو اس کی حکمت اور رحمت پر مشتمل ہیں تو آخر میں بندوں پر اپنے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ﴾

''اللہ تعالیٰ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے۔''[3]

یعنی اپنی حدود، حلال، حرام اور وہ احکام جن میں تمھارا فائدہ ہے ﴿ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ تاکہ تم انھیں سمجھو اور جانو اور ان کا اصل مقصد تمھیں معلوم ہو جائے۔[4]

14

مریم علیہا السلام کی برگزیدگی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] البقرة 2: 236. [2] المصباح المنير، ص: 178، و تفسير الطبري: 599/2. [3] البقرة 2: 242. [4] تفسير السعدي، ص: 107.

﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ○ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ○﴾

''اور (یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے چن لیا ہے اور تجھے پاکیزگی عطا کی ہے اور دنیا بھر کی عورتوں میں سے تجھے منتخب کیا ہے۔ اے مریم! اپنے رب کی فرماں برداری کر، سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔''[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سیدہ مریم علیہا السلام سے براہ راست خطاب کا ذکر فرمایا کہ انھوں نے سیدہ مریم علیہا السلام کو اللہ کے فیصلے سے آگاہ کیا کہ اللہ نے انھیں برگزیدگی بخشی ہے، یعنی ان کی کثرت عبادت، ان کے زہد، شرف و عظمت، وسوسوں اور تکدر سے پاک ہونے کی وجہ سے۔ پھر ان کے شرف اور جلالت کے پیش نظر انھیں تمام جہان کی عورتوں میں سے منتخب کرلیا۔[2]

پہلے اصطفا (برگزیدہ کرنے) کا تعلق آپ کی اچھی صفات اور نیک اعمال سے ہے اور دوسرے اصطفا کا مفہوم محترمہ کو ساری دنیا کی عورتوں سے افضل قرار دینا ہے۔ اس سے مراد یا تو اس زمانے کی دنیا بھر کی عورتیں مراد ہیں یا شروع سے لے کر آخر تک آنے والی تمام عورتیں ہیں۔ اور اس شرف میں ان کے ساتھ چند اور عورتوں، یعنی سیدہ خدیجہ، سیدہ عائشہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن کا شامل ہونا ان کے اصطفا کے منافی نہیں ہے۔[3]

[1] آل عمرٰن 3: 43,42. [2] المصباح المنير، ص: 217. [3] تفسير السعدي، ص: 135.

صحیح حدیث میں ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ»

''(کائنات کی) بہترین عورتوں میں سے مریم بنت عمران ہیں اور (کائنات کی) بہترین عورتوں میں سے سیدہ خدیجہ بنت خویلد ہیں۔''[1]

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ، وَإِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ»

''مردوں میں سے تو بہت کامل ہوئے لیکن عورتوں میں سے صرف مریم بنت عمران اور آسیہ فرعون کی بیوی کامل ہوئیں اور عائشہ کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسے ہی ہے جیسے ثرید کی فضیلت دوسرے کھانوں پر۔''[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے متعلق خبر دی کہ انھوں نے مریم علیہا السلام کو کثرت عبادت، خشوع و خضوع، رکوع و سجود کی کثرت اور اعمال میں ہمیشگی و دوام کا حکم سنایا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اسے مستقبل میں شرف عظیم سے نوازنے والا تھا اور اس میں اپنی قدرت

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: ﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ ......﴾، حديث: 3432، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة أم المؤمنين رضي الله عنها، حديث: 2430. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ......﴾، حديث: 3411، وصحيح مسلم، فضائل الصحابه، باب من فضائل خديجة أم المؤمنين رضي الله عنها، حديث: 2431.

کے عظیم کرشمے ظاہر کرنا چاہتا تھا جیسا کہ اس نے اپنی قدرت عظیمہ سے اسے بغیر باپ کے بیٹا عطا کیا۔[1]

نکتہ: آیت مذکورہ میں ارکعی کے ساتھ مع الراکعین کی قید ذکر کی گئی، اس سے بظاہر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رکوع کرنے میں لوگ عموماً اہتمام نہیں کرتے بلکہ وہ معمولی سا جھک کر اٹھ جاتے ہیں۔ لہٰذا رکوع کامل رکوع کرنے والوں جیسا ہونا چاہیے۔

15

اللہ تعالیٰ کسی کے اعمال ضائع نہیں کرتا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ﴾

’’پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ کوئی مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔‘‘[2]

اس آیت کریمہ سے پہلے چار دعاؤں کا ذکر ہے اور یہ آیت ان دعاؤں کا جواب ہے۔ اور اللہ کے اولوالالباب اور مخلص بندوں نے جب اللہ سے چار مرتبہ ’’ربنا‘‘ کے واسطے سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا:

1 المصباح المنير، ص: 217. 2 آل عمرٰن 3 : 195.

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ﴾

’’پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا۔‘‘[1]

یعنی میں تمھارے اعمال برباد نہیں کروں گا بلکہ ان کے صلے میں تمھیں ثواب دوں گا۔[2]

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی دونوں دعائیں، دعائے عبادت اور دعائے طلب، قبول کرلیں اور فرمایا: میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، پس تمام لوگوں کو ان کے اعمال کی پوری مزدوری ملے گی اور مزید عنایت بھی ہوگی۔[3] مرد اور عورتیں ثواب وعقاب میں مساوی ہیں۔[4]

اس آیت کا ایک سبب نزول ہے جیسا کہ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے۔[5]

وہ یہ کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے معاملے میں عورتوں کا کوئی ذکر نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾

’’پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے

1 آل عمرٰن 3 : 195. 2 حسن الأسوة، ص: 44. 3 تفسير السعدي، ص: 173. 4 حسن الأسوة، ص: 44. 5 سنن سعيد بن منصور: 1136/3.

والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، چاہے کوئی مرد ہو یا عورت۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے گناہ معاف کرنے، بلند درجات عطا کرنے اور دخول جنت کے اسباب کی تفصیل بیان فرمائی کہ یہ فضیلت ان کے محکم ایمان، ہجرت، وطن اور مال و متاع جیسی محبوب چیزوں کو اللہ کی رضا کی طلب کی خاطر چھوڑنے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ انھوں نے دارالشرک کو چھوڑ کر دارالایمان کو اپنا مسکن بنایا۔ اعزہ و اقارب کی مفارقت برداشت کی، مشرکین کے ظلم سہے جنھوں نے انھیں ہنستے بستے گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ جرم کیا تھا؟ صرف یہ کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لے آئے تھے اور دین اسلام پر کاربند ہوگئے تھے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ثواب عظیم کے مستحق ٹھہرے اور نہ ختم ہونے والا اجر پا کر ہمیشہ کے لیے کامیاب ہوگئے۔

16

حواء علیہا السلام کی تخلیق

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ﴾

[1] آل عمرٰن 3 : 195.

''جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کر کے ان دونوں سے مرد اور عورتیں کثرت سے پھیلا دیں۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو اور رشتے توڑنے سے ڈرو۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا آغاز تقویٰ کے حکم، اپنی عبادت کی تاکید اور صلہ رحمی کے حکم اور اس کی تاکید سے کیا ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تقویٰ کا حکم دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی قدرت سے آگاہ کیا کہ انھیں ایک جان، یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا۔

﴿وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ ''اور ان سے ان کی بیوی (حواء) کو پیدا کیا۔'' ان کی پیدائش کی کیفیت یہ تھی کہ آدم علیہ السلام کے دائیں پہلو کی پچھلی پسلی سے انھیں پیدا کیا۔ اس دوران میں آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے، بیدار ہوئے تو حواء کو اپنے پاس دیکھا، وہ انھیں اچھی لگیں، پھر وہ ایک دوسرے سے مانوس ہوگئے۔[3]

حدیث نبوی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ»

''عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلیوں میں سے سب سے زیادہ ٹیڑھی سب سے اوپر والی پسلی ہے اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو تو توڑ بیٹھو گے اور اگر تم اسے چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی، لہٰذا عورتوں کے بارے میں

[1] النسآء 4 :1. [2] تفسير السعدي، ص :174. [3] المصباح المنير، ص :271.

(خیر خواہی) وصیت قبول کرو۔''[1]

اور اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے آدم وحواء علیہما السلام سے بہت زیادہ مرد اور عورتیں پیدا کیے اور انھیں اطراف عالم میں پھیلا دیا۔ ان کے درجات، خوبیاں، رنگ اور زبانیں بھی باہم مختلف بنائیں اور وہ انجام کار اسی ذات کی طرف لوٹ کر آئیں گے اور اسی کے حضور اکٹھے ہوں گے۔[2] پھر فرمایا:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط﴾

''اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو اور رشتے توڑنے سے ڈرو۔''[3]

رشتے داری کو توڑنے سے ڈرو کیونکہ قطع رحمی نہایت کبیرہ گناہ ہے اور صلۂ رحمی ہر اچھائی کا دروازہ ہے۔ اس سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور رزق میں برکت ہوتی ہے اور قطع رحمی ہر برائی کی جڑ ہے اس لیے رشتہ داریوں کے بارے میں ڈرنے کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے ساتھ ملایا ہے۔

مختلف لوگوں کی صلۂ رحمی کی نوعیت بھی مختلف ہوتی ہے۔ کوئی احسان کر کے صلۂ رحمی کرتا ہے، کوئی خدمت کر کے اور کوئی ضروریات پوری کر کے صلۂ رحمی کرتا ہے اور کبھی صلۂ رحمی خط کتابت کے ذریعے سے ہوتی ہے اور کبھی اچھی گفتگو وغیرہ بھی صلۂ رحمی کا باعث ہوتی ہے۔[4]

[1] صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم وذریته، حدیث:3331، وصحیح مسلم، الرضاع، باب الوصیة بالنساء، حدیث: 715-(3643). [2] المصباح المنیر، ص: 271. [3] النسآء 4 :1. [4] حسن الأسوة، ص:45.

بعض نے والأرحامِ کو مجرور پڑھا ہے، اس صورت میں ترجمہ یوں بنتا ہے: ''جس (اللہ) کے واسطے سے اور رشتہ داری کے واسطے سے ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، چنانچہ لوگ جب کسی سے کوئی سوال کرتے تو اللہ تعالیٰ اور رحم، یعنی رشتہ داری کا واسطہ دیتے، اسی طرح جب قسم ڈالتے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ اور رحم کا ذکر کرتے ہوئے ''أَنْشُدُكَ اللّٰهَ وَالرَّحِمَ'' کہتے تھے۔

17

ایک سے زیادہ شادیوں کا مسئلہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝﴾

''چنانچہ ان عورتوں میں سے جو تمھیں اچھی لگیں، دو دو، تین تین اور چار چار سے نکاح کرلو، پھر اگر تمھیں ڈر ہو کہ تم انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی سے (نکاح کرو) یا اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے (ازدواجی تعلق رکھو) یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس طرح تم ناانصافی کرنے سے بچے رہو گے۔ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو، پھر اگر وہ اپنی مرضی سے تمھیں کچھ مہر چھوڑ دیں تو تم

اسے شوق سے کھا سکتے ہو۔"[1]

درج بالا دونوں آیات میں عورتوں کے متعلق خصوصی طور پر کئی ہدایات ہیں جیسا کہ یتیم لڑکی سے تھوڑے حق مہر پر نکاح سے منع فرمایا، یعنی اس کے خاندان کی لڑکیوں سے اس کا حق مہر کم نہ ہو، پھر فرمایا:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی﴾

"اگر تمھیں ڈر ہو کہ یتیم عورتوں کے بارے میں انصاف نہیں کرسکو گے......"

یعنی اگر کسی کے زیر پرورش کوئی یتیم لڑکی ہو اور اسے خدشہ ہو کہ اگر وہ خود اس سے نکاح کرے گا تو مہر مثل ادا نہیں کر سکے گا تو اسے چاہیے کہ اس کے علاوہ کسی اور عورت سے نکاح کر لے۔[2]

اسی لیے فرمایا: ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ "تو (ان کی بجائے) جو عورتیں تمھیں اچھی لگتی ہیں ان سے نکاح کرو۔" یعنی دین، مال، حسب ونسب اور حسن و جمال جیسی دیگر صفات جو نکاح کی ترغیب دیتی ہیں، ان صفات کی حامل عورتوں میں سے جس کے ساتھ نکاح کرنے کا اختیار ہو اپنی صوابدید کے مطابق نکاح کرلو۔

سب سے بہترین نکاح کرنے والا وہ ہے جو دین کی صفت کا انتخاب کرے۔[3]

جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَجَمَالِهَا، وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ»

"عورت سے چار صفات کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے، اس کے مال، اس کے

[1] النسآء 4: 4,3. [2] المصباح المنير، ص: 272. [3] تفسير السعدي، ص: 175.

حسب ونسب، اس کے حسن جمال اور اس کے دین کی وجہ سے، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں تو دین دار عورت سے نکاح کی کوشش کرکے کامیاب ہوجا۔"[1]

آیت میں مذکور ہدایات میں یہ ہدایت بھی ہے کہ (بیک وقت) چار سے زیادہ عورتیں نکاح میں نہ رکھی جائیں، یعنی جن عورتوں کا تم انتخاب کرو، جائز ہے۔ اگر کوئی دو رکھنا چاہتا ہے تو دو سے شادی کرلے اگر تین رکھنا چاہتا ہے تو تین رکھ لے اور اگر چار سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو چار عورتوں سے نکاح کرلے، البتہ چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح نہ کرے کیونکہ آیت کریمہ کا سیاق اللہ تعالیٰ کے احسان کو بیان کرنے کے لیے ہے، پس جتنی تعداد اللہ تعالیٰ نے طے کردی ہے اس سے زیادہ بیویاں رکھنا بالاتفاق ناجائز ہے۔[2]

چار سے زیادہ بیویوں کی ممانعت اس لیے بھی ہے کہ سنت میں چار سے زیادہ بیویاں نہ رکھنے کی نص وارد ہوئی ہے۔ غیلان ثقفی رضی اللہ عنہ کے واقعے میں مذکور ہے کہ اسلام لاتے وقت ان کی دس بیویاں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا:

«اِخْتَرْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا»

"ان میں سے چار منتخب کرلو۔"[3]

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمْسِكْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ»

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب الأكفاء في الدين ......، حديث: 5090، وصحيح مسلم، الرضاع، باب استحباب نكاح ذات الدين، حديث: 1466. [2] تفسير السعدي، ص: 175.
[3] مسند أحمد: 14,13/2، و سنن أبي داود، الطلاق، باب في من أسلم وعنده نساء أكثر من أربع......، حديث: 2241.

’’ان میں سے چار اپنے پاس رکھ لو اور باقیوں کو الگ کر دو۔‘‘ [1]

یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اگر چار سے زیادہ بیویوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز ہوتا تو رسول اکرم ﷺ غیلان کو اتنی تعداد کی اجازت دے دیتے جبکہ وہ ان ہی کے ساتھ اسلام لائی تھیں۔ جب آپ ﷺ نے چار بیویوں کے نکاح برقرار رکھنے اور باقیوں کو علیحدہ کرنے کا حکم دیا تو یہ بات اس کی دلیل ہے کہ بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں رکھنا ہرگز جائز نہیں۔ جب پہلے سے منکوحہ بیویوں کو ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں دی تو ازسرنو نکاح کی اجازت تو بالاولیٰ نہیں ہوگی۔ [2]

جب عدل نہ کر سکنے کا خدشہ ہو تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کی ہدایت کی گئی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اسی طرح مذکورہ آیت کی ہدایات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حق مہر ادا کرنا واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾

’’اور عورتوں کو ان کے حق مہر خوش دلی سے دو۔‘‘ [3] نحلہ کے معنی مہر کیے گئے ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے معنی فریضہ کے ہیں، یعنی مہر دینا فرض ہے، لہٰذا عورت کو کوئی چیز دیے بغیر نکاح نہ کرو۔ [4]

لیکن اگر وہ خود اپنی خوشی اور اختیار سے اس میں سے کچھ چھوڑ دیں یا ادائیگی میں مہلت دے دیں یا مہر کا کوئی عوض قبول کر لیں تو اس میں تمھیں کوئی گناہ نہیں۔

[1] مسند أحمد: 14,13/2، و سنن أبي داود، الطلاق، باب في من أسلم وعنده نساء أكثر من أربع......، حديث: 2241. [2] المصباح المنير، ص: 272. [3] النسآء 4 : 4. [4] المصباح المنير، ص: 273.

یہ آیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اگر عورت عاقل اور بالغ ہے تو اپنے مال میں تصرف کا پورا اختیار رکھتی ہے، چاہے وہ صدقہ کرے یا کوئی اور تصرف۔ [1]

18

والدین کے ترکہ میں بیٹیوں کا حصہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝﴾

’’مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس مال میں جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں، (یہ چھوڑا ہوا مال) تھوڑا ہو یا زیادہ، اس میں ہر ایک کا مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔‘‘ [2]

زمانۂ جاہلیت میں عرب کی سرکشی اور قساوت قلبی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ وہ کمزوروں، یعنی عورتوں اور بچوں کو وراثت میں سے حصہ نہیں دیتے تھے، وہ صرف طاقتور مردوں کو میراث دیتے تھے، ان کے زعم کے مطابق یہی لوگ جنگ و جدل اور لوٹ مار میں حصہ لیتے تھے، پس حکمت والے رب رحیم نے چاہا کہ اپنے بندوں کے لیے وراثت کا ایسا قانون بنا دے جس میں ان کے مرد اور عورتیں، طاقتور اور کمزور

[1] تفسير السعدي، ص: 176. [2] النسآء 4 : 7.

سب برابر ہوں اور اس قانون کو بیان کرنے سے پہلے مجمل حکم بیان فرمایا تاکہ لوگ اس قانون میراث کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔[1]

(جب نفوس اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے) تو فرمایا: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ﴾ ''مردوں کے لیے حصہ ہے۔'' یعنی جو ماں اور باپ ترکہ چھوڑ جاتے ہیں یا دیگر رشتہ دار چھوڑ جاتے ہیں تو اس میں مردوں کے لیے حصہ ہے۔ یہاں خاص کے بعد عام کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ماں باپ اور دیگر قریبی رشتے داروں کی وراثت میں حصہ ہے، یعنی مرد اور عورتیں اصل وراثت میں سب شریک ہیں، تاہم اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق ان کے حصوں میں تفاوت ہے۔ کبھی وہ حصہ قرابت کی بنیاد پر ہوتا ہے، کبھی رشتۂ زوجیت کی بنا پر اور کبھی ولاء کی وجہ سے کیونکہ وہ بھی نسب کی رشتہ داری کی طرح ہے۔[2]

میراث کا یہ حصہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور فرض ٹھہرایا ہے اور اس میں واجب سے زیادہ تاکید ہے۔ یہ آیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ کسی وارث کے اپنے حصے سے اعراض کرنے سے اس کا حق ختم نہیں ہوتا۔[3]

19

میراث میں عورتوں کا حصہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] تفسير السعدي، ص: 176. [2] المصباح المنير، ص: 275. [3] حسن الأسوة، ص: 47.

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾

''اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے، مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے، پھر اگر (دو یا) دو سے زیادہ عورتیں ہی ہوں تو ان کے لیے ترکے میں دو تہائی حصہ ہے اور اگر ایک ہی (لڑکی) ہو تو اس کے لیے آدھا (حصہ) ہے اور اس (مرنے والے) کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے ترکے میں چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو، پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے، پھر اگر اس (مرنے والے) کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ (یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی۔''[1]

یہ سابقہ آیت میں بیان کردہ مجمل احکام میراث کی تفصیل ہے۔ اور یہ پوری آیت دین کے ارکان میں سے اور بنیادی احکام میں سے ایک حکم ہے اور امہات الآیات کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ علم فرائض کے تمام اہم مسائل کے ذکر پر مشتمل ہے۔[2]

[1] النسآء 4 :11. [2] حسن الأسوة، ص: 48.

یہ آیت کریمہ، اس کے بعد والی اور اس سورت کی آخری آیت علم فرائض کی آیات کہلاتی ہیں۔ علم میراث انھی تینوں آیتوں اور اس مسئلے سے متعلق وارد احادیث سے ماخوذ ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ عورتیں بیٹیاں ہوں، بہنیں ہوں، بیویاں ہوں یا مائیں اور دادیاں ہر صورت میں ان کے تعلق کی بنیاد پر وراثت میں ان کا مقرر حصہ ہے۔

① ماں باپ کی میراث میں جب بیٹیوں کے ساتھ کوئی بیٹا بھی شامل ہو تو بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اور اگر ایک بیٹی اکیلی ہی وارث ہے تو پھر وہ نصف میراث لے گی۔ اگر دو یا اس سے زیادہ بیٹیاں وارث ہوں تو پھر $\frac{2}{3}$ کی وارث ہوں گی۔

② مرنے والے کی اگر اولاد یا بیٹے کی اولاد موجود ہو تو مرنے والے کی ماں اور باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا $\frac{1}{6}$ حصہ ملے گا اور اگر اولاد یا بیٹے کی اولاد نہ ہو تو ماں کو تیسرا حصہ ملے گا۔

③ مرنے والا اگر مرد ہے اور اس کی بیوی موجود ہے یا عورت کی وفات ہو جاتی ہے اور اس کا خاوند موجود ہے تو مرنے والے کی ماں کو خاوند/ بیوی کا حصہ دینے کے بعد باقی مال کا تیسرا حصہ ملے گا اور ایک تیسرا حصہ (باقی ماندہ کا) باپ لے گا اگر وہ زندہ ہو۔

④ مرنے والے کے باپ کی موجودگی میں اس کے بہن بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا لیکن ان کی موجودگی ماں کا حصہ کم کر کے $\frac{1}{6}$ کر دے گی۔[2]

[1] المصباح المنیر، ص:276. [2] حسن الأسوة، ص:49، والمصباح المنیر، ص:277.

20

عورتوں کے زبردستی وارث بننے اور ان سے مہر واپس لینے کی خاطر طلاق دینے کا بیان

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ○ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ○ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ○﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ اور تم انھیں (اس مقصد سے) نہ روک رکھو کہ تم نے انھیں جو مہر دیا ہو، اس کا کچھ حصہ واپس لے لو، مگر اس صورت میں (انھیں روکنا جائز ہے) اگر وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں۔ اور تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو، پھر اگر تم انھیں ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی ڈال دے۔ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ

دوسری بیوی کرنا چاہو اور تم نے ان میں سے کسی کو بہت سا مال دیا ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کرتے ہوئے واپس لو گے؟ اور تم مہر میں سے کیسے واپس لو گے، حالانکہ تم ایک دوسرے سے ملاپ کر چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے پختہ عہد لیا ہے۔''[1]

زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی مر جاتا اور اپنے پیچھے بیوی چھوڑتا تو مرنے والے کا کوئی قریبی، مثلاً: بھائی یا چچا زاد بھائی سمجھتا کہ وہ اس بیوہ کا سب سے زیادہ مستحق ہے اور وہ اسے میت کی میراث ہی سمجھتا، چنانچہ عورت پسند کرتی یا ناپسند وہ اس پر زبردستی قبضہ کر لیتا اور اسے کسی اور کے ساتھ نکاح نہ کرنے دیتا۔ وہ چاہتا تو اس کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق حق مہر پر نکاح کر لیتا اور اگر وہ اسے پسند نہ کرتا تو اسے نکاح سے روک دیتا اور اپنی مرضی سے اس کا نکاح کرتا، بسا اوقات وہ اس کا نکاح اس وقت تک نہ ہونے دیتا جب تک وہ مرنے والے شوہر کی میراث یا مہر میں سے اسے کچھ نہ دے دیتی۔

اسی طرح زمانۂ جاہلیت میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ناپسند کرتا تو اسے طلاق نہ دیتا تاکہ وہ اپنا حق مہر اور سامان وغیرہ نہ لے جائے جو اس نے دیا ہے اور آگے کسی اور سے نکاح نہ کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو سوائے درج ذیل دو صورتوں کے ان تمام امور سے منع کر دیا۔

① جب عورت برضا و رغبت اپنے سابقہ شوہر کے کسی قریبی رشتہ دار کے ساتھ نکاح کر لے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿كَرْهًا﴾ کے مفہوم مخالف سے ظاہر ہے۔

② جب عورت واضح بدکاری، مثلاً: زنا وغیرہ کا ارتکاب کرے اور فحش گوئی کے ذریعے

[1] النسآء 4 : 19-21.

سے خاوند کو اذیت دے تو اس صورت میں خاوند کا اسے اس کے کرتوتوں کی سزا کے طور پر روکنا جائز ہے تاکہ وہ اس سے وصول کردہ مال واپس کرنے پر آمادہ ہو جائے لیکن شرط یہ ہے کہ ایسا اقدام عدل کے ساتھ ہو۔[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا:

«كَانُوا إِذَا مَاتَ الرَّجُلُ كَانَ أَوْلِيَاؤُهُ أَحَقَّ بِامْرَأَتِهِ، إِنْ شَاءَ بَعْضُهُمْ تَزَوَّجَهَا، وَإِنْ شَاءُوا زَوَّجُوهَا وَإِنْ شَاءُوا لَمْ يُزَوِّجُوهَا، فَهُمْ أَحَقُّ بِهَا مِنْ أَهْلِهَا، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي ذٰلِكَ»

''زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کے ورثاء اس کی بیوی کے زیادہ مستحق ہوتے۔ اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو اس سے شادی کر لیتا۔ اور وہ چاہتے تو اس کی آگے کسی اور سے شادی کر دیتے اور اگر چاہتے تو اس کی شادی نہ کرتے، بہرحال وہ اس عورت کے اس کے گھر والوں سے زیادہ حقدار ہوتے تھے۔ تو یہ آیت اس کی تردید میں نازل ہوئی۔[2]

اور سنن ابو داود کے الفاظ ہیں: آدمی اپنے قریبی (عزیز) کی بیوی کا وارث بن جاتا، پھر اسے آگے نکاح نہ کرنے دیتا یہاں تک کہ اسے موت آ جاتی یا وہ اپنا مہر اس کے حوالے کر دیتی۔[3]

[1] تفسير السعدي، ص: 172. [2] صحيح البخاري، الإكراه، باب من الإكراه، حديث: 6948. [3] سنن أبي داود، النكاح، باب في قوله تعالىٰ: ﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا......﴾، حديث: 2090.

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ان سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں: اگر وہ خوبصورت ہوتی تو اس سے نکاح کر لیتا اور اگر خوب صورت نہ ہوتی تو اس سے نہ خود نکاح کرتا اور نہ اسے آگے نکاح کرنے دیتا تاکہ وہ مرے اور یہ اس کا وارث بنے۔[1]

آیت کے مخاطب مومنین ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں روکتے ہوئے فرمایا: تمھارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم عورتوں کو وراثت سمجھ کر ان پر قبضہ جماؤ اور یہ خیال کرو کہ تم دوسروں کی نسبت ان کے زیادہ مستحق ہو۔ اور یہ بھی حلال نہیں کہ تم انھیں اپنے لیے روکے رکھو۔[2]

مذکورہ بالا آیات میں درج ذیل ہدایات دی گئی ہیں۔

① عورتوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔

② عورتوں سے حسن معاشرت کا مظاہرہ کیا جائے۔

③ (بوقت طلاق) ان سے حق مہر واپس نہ لیا جائے۔

پہلی بات کی وضاحت تو ہو چکی۔ جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کا عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم اور ترغیب حتی المقدور قولی اور عملی دونوں طرح کی معاشرت کے لیے ہے۔ پس شوہر پر فرض ہے کہ بیوی کے ساتھ اچھے طریقے سے رہے، اسے کوئی اذیت نہ دے، اس کے ساتھ بھلائی اور حسن معاملہ کے ساتھ پیش آئے۔ اس میں نان نفقہ اور لباس وغیرہ سب شامل ہے، پس زمان و مکان کے احوال و ظروف کے مطابق شوہر کا بیوی سے دستور کے مطابق بھلائی سے پیش آنا فرض ہے۔[3]

① تفسير ابن أبي حاتم: 902/3، وتفسير الطبري: 407/4. ② حسن الأسوة، ص: 53.
③ تفسير السعدي، ص: 184.

اسی طرح کا حسن سلوک بیوی پر بھی فرض ہے۔

نبی ﷺ کے اخلاق کریمانہ میں یہ عظیم الشان وصف بھی شامل تھا کہ آپ ﷺ اپنے اہل و عیال کے ساتھ نہایت خوشگوار مثالی زندگی بسر فرماتے تھے۔ گھر والوں سے دل لگی کی گفتگو بھی فرماتے تھے، چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی تھی، نہایت نرمی اور نوازش سے پیش آتے تھے، کھلا خرچہ دیتے تھے اور اپنی بیویوں سے ہنسی اور خوش مذاقی بھی کرتے تھے حتی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اظہار تعلق و محبت کے لیے دوڑ بھی لگاتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اکرم ﷺ نے میرے ساتھ دوڑ لگائی تو میں سبقت لے گئی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ابھی میرا جسم بوجھل نہیں ہوا تھا۔ پھر ایک مرتبہ میں نے اس وقت دوڑ لگائی جبکہ میں بوجھل ہو چکی تھی تو آپ ﷺ سبقت لے گئے اور فرمایا:

«هٰذِهِ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ»

''یہ اس کا بدلہ ہے۔''[1] یعنی معاملہ برابر ہو گیا۔

جب آپ ﷺ عشاء کی نماز ادا فرماتے تو سونے سے پہلے اپنے اہل و عیال سے ان کا دل لبھانے کے لیے تھوڑی دیر گفتگو فرماتے تھے۔[2]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے۔''[3]

① سنن أبي داود، الجهاد، باب في السبق على الرجل، حديث: 2578. ② المصباح المنير، ص: 282. ③ الأحزاب 21:33.

خوش وقتی کے ساتھ گزر بسر اسی صورت میں ممکن ہے جب میاں بیوی میں محبت اور موافقت کی فضا ہو۔ اگر کسی وجہ سے زوجین میں ناخوشگواری اور اختلاف ہو، بشرطیکہ وہ فحش گوئی اور نافرمانی کی حد تک نہ ہو تو ایسی صورت میں شوہروں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ صبر سے کام لیں اور معمولی نفرت یا اختلاف کی بنا پر انھیں طلاق نہ دیں، ہوسکتا ہے کہ ان کا صبر کرتے ہوئے انھیں عقد نکاح میں رکھنا اور ناپسندیدگی کے باوجود ان کے ساتھ گزر بسر کرنا دنیا و آخرت میں ان کے لیے کسی بہت بڑی بھلائی کا باعث ہو جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس پر شفقت کرے اور اللہ تعالیٰ اسے اس عورت سے بیٹا عطا فرما دے اور اس بیٹے میں بہت زیادہ خیر ہو۔[1]

شوہر کا اپنی بیوی کو نہ چاہتے ہوئے بھی ساتھ رکھنا ایسا عمل ہے جس میں مجاہدہ نفس بھی ہے اور بلند اخلاقی بھی۔ اور بسا اوقات ناپسندیدگی زائل ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ محبت لے لیتی ہے جیسا کہ مشاہدے سے یہ بات ثابت ہے۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ»

''کوئی مومن مرد (شوہر) کسی مومنہ عورت (بیوی) سے نفرت نہ کرے۔ اگر اسے اس کی ایک عادت ناپسند ہے تو کوئی دوسری پسند بھی ہوگی۔''[3]

اور جہاں تک حق مہر واپس لینے کی ممانعت کا تعلق ہے تو اس بارے میں فرمایا کہ

[1] المصباح المنير، ص: 282. [2] تفسير السعدي، ص: 185. [3] صحيح مسلم، الرضاع، باب الوصية بالنساء، حديث: 1467.

اگر تم میں سے کوئی بیوی سے الگ ہونا چاہے اور اس کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہے تو جدا ہونے والی بیوی کو دیے ہوئے مہر میں سے کچھ بھی واپس نہ لے، چاہے بطور مہر بہت زیادہ مال دے رکھا ہو۔

اس آیت سے بہت زیادہ مہر دینے کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زیادہ مہر دینے سے منع کیا تھا لیکن پھر یہ حکم واپس لے لیا۔[1]

ہر چند یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ کثرت مہر حرام نہیں لیکن تخفیف مہر میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا زیادہ افضل اور لائق اعتنا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بیویوں سے حق مہر واپس لینا جائز نہیں، چاہے تم اسے واپس لینے کے لیے کوئی بھی حیلہ اختیار کرلو، بہرحال یہ واضح گناہ ہے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ﴾

''اور تم مہر میں سے کیسے واپس لوگے، حالانکہ تم ایک دوسرے سے ملاپ کر چکے ہو۔''[3]

21

باپ کی بیویوں سے نکاح کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] المصباح المنير، ص: 282. [2] تفسير السعدي، ص: 185. [3] النسآء 4:21.

﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝﴾

"اور جن عورتوں سے تمھارے باپوں نے نکاح کیا ہو، ان سے تم نکاح نہ کرو مگر جو پہلے گزر گیا، سو گزر گیا۔ بے شک یہ بے حیائی کا کام، ناراضی کی بات اور برا طریقہ ہے۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں جاہلیت کی رسم بد، یعنی باپ کی بیویوں سے نکاح کرنے سے روکا ہے۔ اس کی وجہ ان کی عزت اور حرمت کی پاسداری ہے۔ بھلا جس سے باپ مباشرت کر چکا ہے، بیٹا بھی اس سے مباشرت کرے؟ مباشرت تو کجا شریعت نے تو باپ کے کسی عورت سے محض نکاح کر لینے کے بعد ہی بیٹے کے لیے اسے حرام قرار دیا ہے۔ یہ بات متفق علیہ ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے باپ کی بیویوں سے شادی کو نہایت قبیح اور بے حیائی والا فعل قرار دیا ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور لوگوں کے بغض و عناد کا باعث بنتا ہے یہاں تک کہ بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے نفرت کرنے لگتا ہے، حالانکہ بیٹے کو والدین سے حسن سلوک کا حکم ہے، ﴿وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝﴾ یعنی چلنے والے کے لیے یہ برا راستہ ہے کیونکہ یہ جاہلیت کی ان قبیح رسوم و عادات میں سے ہے جن سے معاشرے کو پاک کرنے کے لیے اسلام آیا ہے۔[3]

قباحت کے تین درجے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی شادی کو ان تینوں مدارج کا مجموعہ بتلایا ہے۔

① النسآء 4: 22. ② المصباح المنير، ص: 283. ③ تفسير السعدي، ص: 185.

① اسے ﴿فَاحِشَةً﴾ کہا: یہ اس کے عقلی طور پر قبیح ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

② ﴿وَّمَقْتًا﴾ کہا: یہ اس کے شرعی طور پر قبیح ہونے کی دلیل ہے۔

③ ﴿وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝﴾ کہا: یہ اس کے قدرتی اور فطری طور پر قبیح ہونے کا اعلان ہے۔

جس کام میں یہ تینوں قباحتیں جمع ہو جائیں وہ برائی کے آخری درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔[1]

22

وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَرَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾

"تم پر حرام کی گئی ہیں تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور

① حسن الأسوة، ص: 56.

تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں اور تمھاری بھتیجیاں اور تمھاری بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمھاری دودھ شریک بہنیں اور تمھاری بیویوں کی مائیں اور تمھاری وہ سوتیلی بیٹیاں جو تمھارے ہاں پرورش پائیں اور ان عورتوں کے پیٹ سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہو، پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمھارے صُلبی بیٹوں کی بیویاں اور تمھارا دو بہنوں کو جمع کرنا (بھی حرام ہے) مگر جو پہلے گزر گیا، سو گزر گیا۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں محرم اور غیر محرم عورتوں کی وضاحت فرمادی ہے۔ نسب کی وجہ سے سات عورتوں کو حرام قرار دیا۔ چھ رضاعی اور سسرالی قرابت کی بنا پر محرمات کا ذکر کیا۔ اور سنت متواترہ سے خالہ، بھانجی اور پھوپھی، بھتیجی کو بیک وقت نکاح میں رکھنے کی حرمت بھی ثابت ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ آیات کریمہ نسبی محرمات، رضاعی محرمات، سسرالی قرابت کی بنا پر محرمات اور جمع کرنے کی بنا پر محرمات کے احکام پر مشتمل ہیں۔[2]

نسبی محرمات یہ ہیں:

① مائیں ② بیٹیاں ③ بہنیں ④ پھوپھیاں ⑤ خالائیں ⑥ بھتیجیاں ⑦ بھانجیاں۔

ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

① النسآء 4:23. ② تفسیر السعدي، ص: 186.

① مائیں: اس میں ماں کی ماں، یعنی نانی آخر تک شامل ہیں۔ اسی طرح باپ کی ماں، یعنی دادی بھی آخر تک شامل ہیں کیونکہ ان سب کا شمار ماں میں ہوتا ہے، ان کی اولاد کی اولاد نیچے تک انھی کی اولاد شمار ہوگی۔

② بیٹیاں: بیٹیوں میں اولاد کی بیٹیاں بھی شامل ہیں، خواہ نیچے، یعنی آخر تک چلی جائیں۔

③ بہنیں: اس میں حقیقی بہنیں، صرف باپ کی طرف سے بہنیں اور صرف ماں کی طرف سے بہنیں سب شامل ہیں۔

④ پھوپھیاں: اس میں ہر وہ عورت شامل ہے جو باپ یا دادا کی اصل میں یا ایک طرف، یعنی باپ یا ماں میں شریک ہو۔ اور بسا اوقات پھوپھی ماں کی طرف سے ہوتی ہے اور اس سے ماں کے باپ کی بہن مراد ہے۔

⑤ خالائیں: ہر وہ عورت جو آپ کی ماں یا نانی کی بہن ہے، چاہے وہ حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی۔ بسا اوقات خالہ باپ کی طرف سے بھی ہوتی ہے، یعنی آپ کے باپ کی خالہ بھی آپ کی خالہ ہوگی۔

⑥ بھتیجیاں: تمام قسم کے بھائیوں کی بیٹیاں اور ان کی آگے بیٹیاں آخر تک۔

⑦ بھانجیاں: بہنوں کی بیٹیاں اور ان کی آگے بیٹیاں آخر تک۔[1]

یہ وہ سات محرمات ہیں جو نسب کے اعتبار سے حرام ہیں اور ان کی حرمت پر علماء کا اجماع ہے جیسا کہ آیت کریمہ کی نص سے ظاہر ہے۔ ان مذکورہ عورتوں کے علاوہ دیگر عورتیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں داخل ہیں: ﴿وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ﴾ ان محرمات کے علاوہ دیگر تمام عورتیں تم پر حلال کردی گئی ہیں۔ جیسے پھوپھی کی بیٹی، چچا کی

① حسن الأسوة، ص: 58.

بیٹی، ماموں کی بیٹی اور خالہ کی بیٹی وغیرہ۔[1]

جہاں تک رضاعت کے اعتبار سے محرمات کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں رضاعی ماں اور رضاعی بہن کا تذکرہ کیا ہے۔ مگر اس تحریم میں رضاعی ماں کی ماں بھی شامل ہے، حالانکہ حرمت کا باعث دودھ اس کے سبب سے نہیں بلکہ وہ تو دودھ کے مالک، یعنی رضاعی ماں کے شوہر کے سبب سے ہے۔ یہ تنبیہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رضاعی ماں کا شوہر دودھ پینے والے بچے کا رضاعی باپ ہوگا۔ جب رضاعی باپ ہونا اور ماں ہونا ثابت ہوگیا تو ان کی بہنوں وغیرہ اور ان کے اصول و فروع کی حرمت بھی ثابت ہوگئی۔[2] رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»

''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔''[3]

پس یہ تحریم دودھ پلانے والی کی جہت سے اور اس کے خاوند کی جہت سے پھیلے گی، یعنی ان کے اصول وفروع اس دودھ پینے والے بچے/بچی کے لیے حرام ہوجائیں گے، جیسا کہ تحریم نسبی اقارب میں پھیلتی ہے جبکہ یہ تحریم دودھ پینے والے بچے کی صرف اولاد تک پھیلے گی، یعنی دودھ پینے والے کی جو اولاد ہے صرف ان کے لیے مذکورہ لوگ حرام ہوں گے۔ اس کے اصول اور بہن بھائی اس حرمت سے مستثنیٰ ہوں گے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ بچے نے دو سال کی عمر کے دوران میں کم از کم پانچ بار دودھ پیا ہو جیسا کہ سنت سے واضح ہے۔[4]

[1] تفسير السعدي، ص: 186. [2] تفسير السعدي، ص: 186. [3] صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب والرضاع……، حديث: 2645، وصحيح مسلم، الرضاع، باب تحريم ابنة الأخ من الرضاعة، حديث: 1447. [4] تفسير السعدي، ص: 186.

سسرالی قرابت کے اعتبار سے محرم رشتے چار ہیں:

① باپ دادا کی بیویاں: خواہ وہ کتنی ہی دور اوپر تک چلی جائیں۔

② بیٹوں کی بیویاں: خواہ وہ کتنی ہی دور نیچے تک چلے جائیں، وہ وارث بنتے ہوں یا دوسرے ورثاء کی موجودگی کی وجہ سے محجوب بنتے ہوں، بہرحال برابر ہیں۔

③ بیوی کی مائیں: خواہ وہ کتنی ہی دور اوپر تک چلی جائیں۔

یہ تین رشتے محض نکاح سے حرام ہوجاتے ہیں۔

④ سوتیلی بیٹی: چوتھا رشتہ سوتیلی بیٹی کا ہے۔ اس سے بیوی کے سابق شوہر کی بیٹی مراد ہے، خواہ کتنی ہی دور نیچے چلی جائیں۔ یہ سوتیلی بیٹی اس وقت تک حرام نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی ماں سے دخول نہ ہوا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾

''اور تمھاری وہ سوتیلی بیٹیاں جو تمھارے ہاں پرورش پائیں اور ان عورتوں کے پیٹ سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہو۔''[1]

جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ ﴿الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ﴾ ''جو تمھاری پرورش میں ہیں۔'' کی قید غالب احوال کے اعتبار سے ہے، ایسا نہیں ہے کہ جو زیر پرورش نہ ہو اس سے نکاح جائز ہے۔ ربیبہ (سوتیلی بیٹی) سوتیلے باپ کے زیر پرورش ہو یا کسی اور کے زیر پرورش اس سے نکاح کرنا حرام ہے۔ البتہ یہاں ''زیر پرورش'' کی قید لگانے کے دو فائدے ہیں:

① سوتیلی بیٹی کی تحریم کی حکمت کی طرف اشارہ ہے، گویا وہ صلبی بیٹی کی طرح ہے، لہٰذا اس سے نکاح کی اباحت نہایت ہی قبیح چیز ہے۔

[1] النسآء 4 :23.

② دوسرا فائدہ یہ ہے کہ سوتیلی بیٹی سے تنہائی اور خلوت جائز ہے۔ (اگر وہ گھر میں اکیلی ہے تو اس کا سوتیلا باپ گھر جا سکتا ہے جبکہ غیر محرم کے ساتھ تنہائی درست نہیں ہے۔) کیونکہ وہ صلبی اور نسبی بیٹیوں کی طرح ہے۔ واللہ اعلم۔[1]

اور جہاں تک ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنے سے ممنوع اور محرم رشتوں کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو جمع کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ نے خالہ، بھانجی اور پھوپھی، بھتیجی کو ایک ساتھ جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے، چنانچہ وہ دو عورتیں جن کے درمیان رحم کا رشتہ ہے اگر ان میں کسی ایک کو مرد اور دوسری کو عورت مان لیا جائے تو وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے حرام ہوں تو ان دونوں کو جمع کرنا حرام ہوگا، اس لیے کہ اس صورت میں باہم قطع رحمی کے اسباب موجود ہیں۔[2]

محرمات میں ان کے علاوہ باپ دادا آخر تک کی منکوحہ بھی شامل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ﴾

''اور جن عورتوں سے تمھارے باپوں نے نکاح کیا ہو، ان سے تم نکاح نہ کرو مگر جو پہلے گزر گیا، سوگزر گیا۔''[3]

امام طحاوی فرماتے ہیں: مذکورہ بالا تمام خواتین سے نکاح کرنا بالاجماع حرام ہے، البتہ ان عورتوں کے بارے میں اختلاف ہے جن کی بیٹیوں سے تم نے نکاح کیا لیکن خلوت صحیحہ یا مقاربت نہیں ہوئی۔[4]

① تفسير السعدي، ص: 186. ② تفسير السعدي، ص: 186. ③ النسآء 4 :22. ④ حسن الأسوة، ص: 57.

23

شوہر والی عورتوں سے نکاح کی حرمت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۖ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ﴾

''اور تمھارے لیے شوہر والی عورتیں بھی حرام ہیں، سوائے ان لونڈیوں کے جن کے تم مالک ہو۔ (یہ) اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے اور ان کے علاوہ جو عورتیں ہیں، وہ تمھارے لیے حلال کر دی گئی ہیں، (شرط یہ ہے) کہ تم اپنے مال (مہر) کے بدلے انھیں حاصل کر کے ان سے نکاح کرو اور تمھاری نیت بدکاری کی نہ ہو۔''[1]

یعنی ان عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے جو پہلے سے کسی کے نکاح میں ہیں اور شوہر والی ہیں۔ جب تک یہ عورتیں پہلے شوہر کی زوجیت میں ہیں، ان سے نکاح حرام ہے۔ اگر پہلا خاوند طلاق دے دے اور عدت گزر جائے تو پھر ان سے نکاح جائز ہوگا۔[2]

اس کے معنی یہ ہیں کہ منکوحہ عورتیں مسلمان ہوں یا کافر ان سے نکاح حرام ہے مگر اس صورت میں کہ کوئی منکوحہ کافر خاتون مسلمانوں کی قید میں آ کر لونڈی بنے تو

① النسآء 4 :24. ② تفسير السعدي، ص: 186.

اس سے نکاح وغیرہ جائز ہے، تاہم ایسی عورت استبرائے رحم کرے گی تاکہ حمل کا پتہ چل جائے۔[1]

مذکورہ آیت کا سببِ نزول یہ ہے: امام احمد رحمہ اللہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ہمیں غزوۂ اوطاس میں دشمن کی عورتیں بطور قیدی ملیں، ان عورتوں کے شوہر زندہ تھے، ہم نے ان کے شوہروں کے ہوتے ہوئے ان سے ہم بستر ہونا گوارا نہ کیا۔ ہم نے اس بارے میں رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ بعدازاں ہم نے ان سے ہم بستری کرنا حلال سمجھا۔[2]

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ کا مطلب ہے کہ یہ تحریم ایک شرطِ لازم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض قرار دیا ہے، لہٰذا اس کا التزام کرو اور اس کی حدود سے تجاوز نہ کرو اور اس نے جو مشروع اور فرض قرار دیا ہے، اس کی پابندی کرو۔[3] اس (تحریم کی کتاب) میں تمھارے لیے شفا اور روشنی ہے اور حلال وحرام کی تمام تفصیلات ہیں۔[4]

پھر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت کے اختتام میں فرمایا کہ ہر وہ عورت جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں نہیں ہے، وہ حلال ہے۔ حرام محدود ہے اور حلال لامحدود اور بے پایاں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر لطف وکرم، اس کی رحمت اور عطا کردہ آسانی ہے۔[5]

اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا ہے کہ مباح عورتوں میں جو انھیں پسند ہوں (چار کی حد

[1] حسن الأسوة، ص: 60. [2] مسند أحمد: 72/3. [3] المصباح المنير، ص: 285.
[4] تفسير السعدي، ص: 186. [5] تفسير السعدي، ص: 186.

تک) انھیں مال دے کر پاک دامنی کے ساتھ ان سے نکاح کرلو۔ نہ خود ناجائز تعلقات رکھو، نہ اپنی عورتوں کے ہاتھ سے عفت کا دامن چھوٹنے دو، یعنی شادی کی نیت سے مستقل بیوی بنانے کے لیے مال بطور مہر ادا کرو۔ مال دے کر فوری مسرت کا حصول اور وقتی بدکاری مقصود نہ ہو۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ صرف پاک دامنوں سے نکاح کیا جائے۔

24

خواتین پر مردوں کی نگرانی اور نیک عورتوں کی تعریف

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾

”مرد عورتوں پر اس وجہ سے حاکم ہیں کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے مالوں میں سے خرچ کرتے ہیں، چنانچہ نیک عورتیں، فرماں بردار اور خاوند کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت سے (مال وآبرو کی) نگہبانی کرتی ہیں۔“[1]

اس آیت سے مردوں کی عورتوں پر قوامیت ثابت ہوتی ہے، یعنی مرد عورت پر

[1] النسآء 4:34.

نگران، اس کا سرتاج اور سربراہ ہے۔ وہ اس پر نگران ہے اور اس کے راہ راست سے ہٹنے کی صورت میں اسے ادب و شائستگی سکھانے والا ہے۔[1]

لہٰذا مرد کئی اسباب کی بنا پر عورتوں سے افضل ہیں، مثلاً:

① تمام بڑے بڑے مناصب اور عظیم الشان ذمے داریاں مردوں ہی سے مخصوص ہیں، جیسے انبیاء و رسل، خلفاء، بادشاہ، حاکم، ائمہ اور غازی وغیرہ مرد ہی ہوئے ہیں۔

② اللہ تعالیٰ نے مردوں کو وافر عقل و دانش سے نوازا اور کامل دین والا بنایا۔ انھیں جمعہ اور نماز باجماعت کی امامت کی فضیلت بخشی۔

③ مرد چار بیویاں رکھ سکتا ہے جبکہ عورت ایک شوہر کے ہوتے ہوئے دوسرا نہیں کر سکتی۔

④ وراثت میں مرد کا حصہ عورت سے زیادہ ہے اور عصبہ بھی مرد ہی ہوتا ہے۔

⑤ نکاح، طلاق اور رجوع کا اختیار بھی مرد کو دیا اور اولاد بھی مرد ہی سے منسوب ہوتی ہے، اسی طرح دیگر کئی امور ہیں جن سے مردوں کی عورتوں پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔[2]

نبوت مردوں ہی کے لیے مخصوص ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾

”(اے نبی!) آپ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے، وہ سب مرد ہی تھے، ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔“[3]

① المصباح المنير، ص: 290. ② حسن الأسوة، ص: 64,63. ③ الأنبيآء 21:7.

بادشاہت اور خلافت بھی مردوں ہی کی خصوصیت ہے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً»

”وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جس نے اپنے معاملات کا نگران عورت کو بنالیا۔“[1]

اسی طرح قاضی (جج) کا عہدہ بھی مردوں ہی کے لیے ہے اور دیگر کئی رفیع الشان عبادات، مثلاً: جہاد، عیدین اور جمعہ وغیرہ میں بھی مردوں ہی کو امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔

مردوں کی عورتوں پر حاکمیت اس لیے بھی ہے کہ وہ ان سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کا التزام کرانے والے، اس کے فرائض کی حفاظت کرنے والے اور انھیں مفاسد سے روکنے والے ہیں۔ وہ عورتوں پر اس اعتبار سے بھی قوام ہیں کہ وہ ان پر خرچ کرتے ہیں اور خوراک، پوشاک اور مسکن وغیرہ فراہم کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ ”اور اس لیے بھی کہ وہ (مرد) اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔“ یعنی حق مہر اور دیگر اخراجات جو اللہ تعالیٰ نے مردوں پر واجب کیے ہیں جن کی تفصیل کتاب و سنت میں موجود ہے، لہٰذا مرد عورت سے بجائے خود افضل ہے اور اسے اس پر فوقیت حاصل ہے۔ مزید برآں اسے عورت کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی کرنے کی فضیلت بھی حاصل ہے۔ یہ سب اعزاز اس بات کے متقاضی ہیں کہ مرد عورت پر حاکم و نگران ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

① صحيح البخاري، المغازي، كتاب النبي ﷺ إلى كسرٰى و قيصر، حديث: 4425.

﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾

''اور مردوں کے لیے ان پر ایک فضیلت ہے۔''[1]

اور ﴿وَبِمَآ اَنْفَقُوْا﴾ میں مفعول کو حذف کرنا نان نفقے کے عموم کی دلیل ہے۔

ان تمام توضیحات سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد اپنی بیوی کے لیے آقا اور والی کی حیثیت رکھتا ہے اور عورت اپنے شوہر کے پاس ایک قیدی کی مانند ہے۔ پس مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان امور کا انتظام کرے جن کے خیال رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے اور عورت کی ذمے داری اور فرض یہ ہے کہ وہ اپنے رب اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے نیک خواتین کی صفات عالیہ بیان کر کے ان کی مدح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ ......﴾ کہ وہ نیکو کار اللہ تعالیٰ کی مطیع ہوتی ہیں اور پھر اپنے شوہروں کی بھی فرماں بردار ہوتی ہیں حتیٰ کہ وہ ان کی عدم موجودگی میں بھی ان کی فرماں برداری کرتی ہیں، اپنی عفت کی حفاظت کے ذریعے سے اپنے شوہر کی اور اپنے مال کی حفاظت کرتی ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور توفیق سے ہے، ان کی طرف سے کچھ نہیں۔[3]

امام سدی وغیرہ کا قول ہے: اس کا مطلب ہے کہ وہ خاوند کی عدم موجودگی میں اپنی عفت اور خاوند کے مال کی حفاظت کر کے اپنے شوہروں کی حفاظت کرتی ہیں۔[4]

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''بہترین عورت وہ ہے کہ جب تو (خاوند) اس کی

[1] البقرة 2:228. [2] تفسير السعدي، ص: 190. [3] تفسير السعدي، ص: 190. [4] المصباح المنير، ص: 290.

طرف دیکھے تو تجھے خوش کر دے اور جب تو اسے کوئی حکم دے تو وہ تیری اطاعت کرے اور تیری عدم موجودگی میں اپنی عفت اور تیرے مال میں تیری حفاظت کرے۔''[1]

25

نافرمان عورتوں کا علاج

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا﴾

''اور تمھیں جن عورتوں کی سرکشی کا خوف ہو، انھیں تم نصیحت کرو اور انھیں خواب گاہوں میں الگ کر دو اور انھیں ہلکی سزا دو، پھر اگر وہ تمھاری فرماں برداری کریں تو انھیں ستانے کی راہ نہ ڈھونڈو۔ بے شک اللہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔''[2]

مذکورہ آیت میں مردوں سے خطاب ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جن عورتوں کی نافرمانی کا تمھیں خدشہ ہو کہ وہ تمھاری اطاعت سے سرکشی کریں گی تو انھیں نصیحت کرو۔ «نُشُوزٌ» کے معنی بلند ہونا ہے، نافرمان عورت بھی خاوند پر استیلا کا اظہار کرتی ہے، اس کی نافرمانی کرتے ہوئے اس سے بے رخی برتتی ہے اور اس سے بغض رکھتی

[1] تفسير الطبري: 4/62. [2] النسآء 4:34.

ہے۔ جب عورت میں سرکشی اور نافرمانی کے آثار ظاہر ہوں تو مرد کو چاہیے کہ پہلے اسے نصیحت کرے اور نافرمانی کرنے پر اسے اللہ کی سزا اور عقاب سے ڈرائے۔ اسے نصیحت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر شوہر کی اطاعت واجب کی ہے اور اس کی نافرمانی حرام قرار دی ہے اور شوہر کو ہر لحاظ سے فوقیت اور افضل درجہ دیا ہے۔[1]

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا مِنْ عِظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا»

''اگر میں کسی کو (اللہ کے سوا) کسی اور کے لیے سجدے کا حکم دیتا تو یقیناً عورت کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو، اس کے عظیم حق کی بنا پر، سجدہ کرے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

«إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلٰى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ عَلَيْهِ ، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ»

''جب مرد عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کردے تو صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔''[3]

جب عورت اپنے شوہر کی اطاعت نہ کرے اور قول یا فعل کے ذریعے سے اس کی نافرمانی کرے تو اس صورت میں شوہر کو چاہیے کہ نہایت نرمی سے اس کی معمولی تادیب کرے۔

[1] المصباح المنير، ص : 291. [2] جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في حق الزوج على المرأة، حديث: 1159. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب: إذا باتت المرأة مهاجرة ◂◂

﴿فَعِظُوهُنَّ﴾ ''انھیں نصیحت کرو۔'' یعنی شوہر کی اطاعت اور اس کی نافرمانی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام بیان کرکے اسے نصیحت کرو۔ شوہر کی اطاعت کی ترغیب دو اور اس کی نافرمانی سے ڈراؤ۔ اگر وہ باز آجائے تو یہی چیز مطلوب ہے۔ بصورت دیگر شوہر اسے اس کے بستر پر تنہا چھوڑ دے، اس کے بستر پر سوئے نہ اس کے ساتھ مجامعت کرے یہاں تک کہ مقصد حاصل ہوجائے۔ اس کے باوجود بھی وہ نافرمانی ترک نہ کرے تو شوہر اسے ایسی مار مارے جو نقصان دہ نہ ہو۔

اگر ان مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے مقصود حاصل ہوجائے اور وہ تمھاری اطاعت کرنے لگ جائیں ﴿فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا﴾ ''تو انھیں (ستانے کی) راہ تلاش نہ کرو۔'' یعنی جو مقصد تم حاصل کرنا چاہتے تھے، وہ حاصل ہوگیا، اس لیے اب گزشتہ کوتاہیوں پر سرزنش نہ کرو اور ماضی کے قصے نہ کریدو جن کا ذکر نقصان دہ اور باعث شر و فساد ہوتا ہے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ۝﴾ میں شوہروں کو اشارتاً یہ سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر تمھیں عورتوں پر فوقیت اور غلبہ دیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم ان پر ظلم کرو بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک، نرمی اور نوازش کا برتاؤ کرو۔ اور یاد رکھو! اگر تم ان پر حاکم ہو تو اللہ تم پر مطلق العنان مالک و حاکم ہے اور تم پر اس ذاتِ عالی کا اختیار سب سے بڑھ کر ہے اور وہ تمھاری ہر آن خوب نگرانی کررہا ہے۔[2]

◂◂ فراش زوجها، حديث: 5193. [1] تفسير السعدي، ص : 190. [2] حسن الأسوة، ص : 65.

26

روٹھے ہوئے میاں بیوی میں صلح کرانے کا طریقہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝﴾

''اور اگر تمھیں دونوں (میاں بیوی) میں جھگڑے کا ڈر ہو تو ایک شخص مرد کے کنبے سے اور ایک عورت کے کنبے سے منصف مقرر کرو۔ اگر وہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں (میاں بیوی) میں موافقت پیدا کر دے گا، بے شک اللہ بہت علم والا، خوب خبردار ہے۔''[1]

آیت کے مخاطبین امراء اور حکام ہیں اور ﴿بَيْنَهُمَا﴾ کی ضمیر زوجین کی طرف ہے۔ سابقہ آیت میں عورت کی نافرمانی اور سرکشی کا ذکر کرنے اور اس کا حل بیان کرنے کے بعد میاں بیوی کی باہم ناراضی، نفرت، اختلافات اور ان کے حل کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔

جب میاں بیوی کے مابین مخالفت اور دوری پیدا ہو جائے تو حاکم وقت کی ذمہ داری ہے کہ کسی شخص کی ڈیوٹی لگائے جو ان پر نظر رکھے اور فریقین میں سے ظلم کرنے

[1] النسآء 4 :35.

والے کو روکے۔ اگر ان کا معاملہ سنگین ہو جائے اور جھگڑا طول پکڑ جائے تو حاکم کو چاہیے کہ ایک قابل اعتماد شخص عورت کی برادری سے اور ایک مرد کی برادری سے مقرر کرے۔ پھر یہ دونوں منتخب افراد ان کے معاملے کا جائزہ لیں، غور و فکر کریں اور مصلحت کے مطابق جو مناسب سمجھیں فیصلہ کر دیں۔[1]

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حاکم میاں، بیوی کی رضامندی سے دو ایسے مکلّف مسلمان، عادل اور عاقل مردوں کو ثالث بنا کر ان کے پاس بھیجے جو میاں بیوی کے مابین اختلافات اور معاملات سے آگاہ ہوں اور معاملات حل کرنے کی صلاحیت اور سلیقہ بھی رکھتے ہوں، یعنی جوڑ توڑ کے ماہر ہوں۔ مذکورہ تمام صفات لفظ «حَكَمْ» کے مفہوم میں شامل ہیں کیونکہ کوئی شخص اس وقت تک حَكَمْ (منصف) بننے کا اہل نہیں ہو سکتا جب تک وہ ان صفات کا حامل نہ ہو۔ دونوں جانب کے منتخب ثالث ان شکایات پر غور کریں جو میاں بیوی ایک دوسرے کے خلاف پیش کرتے ہوں۔ وہ دونوں سے ان کی ذمہ داریوں کا التزام کرائیں۔ اگر ان میں سے ایک فریق ذمہ داری پوری کرنے سے قاصر ہے تو دونوں حَكَمْ دوسرے فریق کو، درپیش احوال میں جو کچھ بھی نصیب ہو، اس پر راضی رہنے پر آمادہ کریں اور ان کی اصلاح و فلاح کے لیے ہر ممکن طریقہ بروئے کار لائیں۔

اگر نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ دونوں کا اکٹھا رہنا اور اصلاح ممکن نہ ہو بلکہ اس سے دشمنی، قطع تعلقی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اضافہ ہوتا ہو اور منصفین سمجھتے ہوں کہ ان میں علیحدگی ہی دونوں کے لیے بہتر ہے تو ان کے درمیان علیحدگی کرا دیں۔ اب

[1] المصباح المنير، ص :291.

دونوں میں تفریق کے لیے شوہر کی رضامندی ضروری نہیں ہے جیسا کہ آیت کے مدلول سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں ثالثوں کو ''حَکَمْ'' کے نام سے موسوم کیا ہے اور حَکَمْ وہ ہوتا ہے جو فیصلہ کرے چاہے اس کے فیصلے پر محکوم علیہ راضی نہ ہو۔[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا﴾ یعنی ثالث اگر اصلاح کا ارادہ کریں...... اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے زوجین مراد ہیں لیکن پہلا قول ہی زیادہ راجح ہے، یعنی دونوں ثالث مل کر میاں بیوی کے درمیان اصلاح کی امکان بھر پوری کوشش کریں اگر وہ صلح کرانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو سبحان اللہ! وہ اس کامیابی کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بنائیں۔ بصورت دیگر اگر وہ سمجھتے ہیں کہ ان میں علیحدگی ہی بہتر ہے تو وہ حاکم شہر کی اجازت کے بغیر ہی مجاز ہیں کہ ان میں علیحدگی کرادیں اور علیحدگی کے لیے کسی وکالت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔[2]

آیت کے اختتام میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے ظاہر و باطن کا علم رکھتا ہے، وہ انسان کی پوشیدہ باتوں اور دل میں اٹھنے والے ارمانوں سے بھی خوب واقف ہے۔ اسی لیے اس نے نہایت خوبصورت طریقے مشروع قرار دیے ہیں۔

27

خواتین کے لیے نیکی کی زندگی پر جنت کی بشارت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

① تفسیر السعدي، ص : 191,190. ② حسن الأسوة، ص : 66.

﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىِٕكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا۝﴾

''اور جو کوئی نیک کام کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''[1]

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے برائیوں کی سزا کا ذکر کیا اور خبردار فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ برے کام کرنے والے کا ضرور محاسبہ کرے گا۔ یہ مؤاخذہ دنیا میں ہو تو یہ انسان کے لیے بہتر ہے ورنہ آخرت میں اسے گناہ کی سزا بھگتنی ہوگی۔ اس سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت میں عافیت کی درخواست کرتے ہیں، عفو و درگزر اور آسانی کا سوال کرتے ہیں۔ پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم، احسانات اور رحمت کا تذکرہ کرکے فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کے چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں حالت ایمان میں کیے گئے اعمال صالحہ قبول فرماتا ہے۔ وہ عنقریب انھیں جنت میں داخل کرے گا اور ان کی نیکیوں میں ذرہ بھر کمی نہیں ہوگی حتی کہ ان پر کھجور کی گٹھلی پر موجود جھلی کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔[2]

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس میں تمام اعمالِ قلب اور اعمالِ بدن شامل ہیں اور عمل کرنے والوں میں جن و انس، چھوٹے بڑے اور مرد و عورت سب داخل ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ''مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو۔'' یہ (ایمان) تمام اعمال کی قبولیت کے لیے شرطِ اول ہے۔ کوئی عمل اس وقت تک نہ صالح ہوسکتا ہے نہ قابلِ قبول، نہ اس پر ثواب کی امید کی جاسکتی ہے، نہ وہ

① النسآء 4 : 124. ② المصباح المنیر، ص : 327,326.

کسی عذاب سے بچا سکتا ہے جب تک کہ عمل کرنے والا مومن نہ ہو۔ ایمان کے بغیر اعمال اس درخت کی شاخوں کی مانند ہیں جس کی جڑ کاٹ دی گئی ہو یا ان کی مثال اس عمارت کی طرح ہے جسے پانی کی موج پر تعمیر کیا گیا ہو۔ ایمان ہی اصل اور اساس ہے جس پر اعمال کا دارومدار ہے۔ اس شرطِ لازم سے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہر عمل جو مطلقاً ذکر کیا گیا ہے، اس کی قبولیت ایمان کے ساتھ مقید ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اسم اشارہ ﴿أُولَٰئِكَ﴾ سے یہ واضح فرمایا کہ جو لوگ ایمان اور اعمال صالحہ کی زندگی بسر کریں گے، اللہ تعالیٰ انھیں ایسی جنت میں داخل فرمائے گا جو ایسی بے مثل نعمتوں پر مشتمل ہے جنھیں نفس چاہتے اور آنکھیں لذت حاصل کرتی ہیں۔ ان کے اعمال خیر میں ذرہ بھر بھی حق تلفی نہیں ہوگی بلکہ وہ ان اعمال کا پورا پورا، وافر اور کئی گنا اجر پائیں گے۔[2]

﴿وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا﴾ میں ظلم کی نفی میں مبالغہ مقصود ہے اور مرد و عورت کے اعمال کی بھرپور جزا کا وعدہ ہے۔ جب مزدوری دینے والا ارحم الراحمین ہو تو مزدوری کتنی زیادہ ہوگی؟ اللہ رب العزت کا یہ کرم کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔[3]

28

زوجین کو مصالحت کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] تفسير السعدي، ص : 223. [2] تفسير السعدي، ص : 223. [3] حسن الأسوة، ص :71.

﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾

''اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے ظلم و زیادتی یا نظر انداز کیے جانے کا اندیشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں کسی طرح صلح کرلیں اور صلح ہی اچھی ہے اور انسانی نفس میں بخیلی رکھی گئی ہے اور اگر تم احسان کرو اور پرہیز گار بنو تو بے شک تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ اس کی خوب خبر رکھتا ہے۔''[1]

یعنی جب عورت اپنے شوہر کے سخت رویے اور ظلم سے ڈرے اور اسے خدشہ ہو کہ خاوند اپنے آپ کو اس سے برتر سمجھے اور اسے ناقابل توجہ سمجھ کر اس سے اعراض کرے تو اس حالت میں بہتر صورت یہی ہے کہ دونوں باہم مصالحت کرلیں۔ اس کی صورت یہی ہے کہ عورت اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہوجائے تاکہ وہ خاوند کے ساتھ رہ سکے۔ اس کے کئی طریقے ہیں، مثلاً: وہ کم نان ونفقہ، معمولی لباس یا مکان وغیرہ پر راضی ہوجائے یا اپنی باری کا حق ساقط کردے یا اپنی باری کے شب و روز اپنی کسی سوکن کو ہبہ کردے۔ اگر میاں بیوی اس صورتِ حال پر راضی ہوجائیں تو اس میں دونوں کے لیے کوئی حرج نہیں، یعنی کوئی گناہ نہیں۔ ایسی صورت حال میں اپنی بیوی کے ساتھ رشتۂ زوجیت قائم رکھنا جائز ہے اور یہ علیحدگی سے بہتر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ ''اور صلح بہتر ہے۔'' یہ مختصر سا جملہ حکمت و دانائی کا

[1] النسآء 4 : 128.

گنجینہ ہے۔ اس کے مفہوم سے یہ بات اخذ کی جاتی ہے کہ فریقین کے درمیان کسی ایک حق یا تمام معاملات میں نزاع ہو تو صلح اس سے بہتر ہے کہ دونوں تمام اشیاء میں پورا پورا حق وصول کرنے کا مطالبہ کریں کیونکہ صلح میں اصلاح امور، الفت و محبت کی بقا اور درگزر کرنے کی صفت پائی جاتی ہے۔ صلح تمام اشیاء و معاملات میں جائز ہے، سوائے اس صورت کے جس میں کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام ٹھہرایا گیا ہو، تب یہ صلح نہیں بلکہ ظلم ہوگا۔[1]

آیت سے واضح ہوتا ہے کہ صلح اس طرح ہو کہ عورت خاوند کے ذمے اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہو جائے۔ اور خاوند کے لیے بھی علیحدگی کے بجائے عورت کی بعض حقوق سے دستبرداری قبول کر لینا بہتر ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے سیدہ سودہ بنت زمعہ کو ان کی طرف سے خوش دلانہ اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کرنے پر اپنے رشتۂ زوجیت میں رکھا اور ان کا یہ اعزاز برقرار رہا کہ وہ بدستور رسالت مآب ﷺ کے حبالۂ عقد میں رہیں۔ آپ نے ایسا اس لیے کیا کہ امت اس کی مشروعیت اور جواز میں آپ ﷺ کے عمل مبارک کو نمونہ بنا سکے۔ صلح و یگانگت کا معاملہ ہی آپ ﷺ کے حق میں افضل تھا۔ اس لیے کہ موافقت اور صلح اللہ تعالیٰ کو علیحدگی سے زیادہ پسند ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ اور (بے جا) طلاق اللہ تعالیٰ کے ہاں مذموم و مبغوض فعل ہے۔[2]

جب انسان کو صلح صفائی جیسے خلق حسن کو اپنانے کی توفیق مل جاتی ہے تو اس کے لیے اپنے مخالف سے صلح آسان ہو جاتی ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے کا راستہ سہل

① تفسير السعدي، ص: 224. ② المصباح المنير، ص: 329.

ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اپنی طبیعت سے بخل کا بوجھ اتارنے کی کوشش نہیں کرتا تو اس کے لیے صلح صفائی، مصالحت اور موافقت بہت مشکل کام ہے کیونکہ وہ اپنا پورا حق لیے بغیر راضی نہیں ہوتا اور اس پر جو حق واجب ہے، اسے ادا کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ جب دوسرے فریق کا رویہ بھی اتنا ہی بے لچک ہو تو معاملہ اور زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔[1]

پھر فرمایا:

﴿وَإِن تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا﴾

"اور اگر تم اچھا سلوک کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو۔"

یعنی تم اپنے مقدس مالک و خالق کی عبادت میں احسان سے کام لو۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اس ذات باری کو دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو یہ یقین بہرحال لازم رکھو کہ وہ ذات مقدس تمھیں دیکھ رہی ہے۔ بس یہی حالت احسان ہے۔ یہ حالت تم پر بہرحال طاری رہنی چاہیے، یعنی تم اپنے مال و جاہ، محنت و مشقت اور علم و آگہی سے لوگوں کو نفع پہنچاؤ اور نفع رسانی کے عمل میں احسانی طریق عمل ہی سے کام لو۔ سب کی بھلائی اور خیر خواہی کا اہتمام کرو۔ سب سے حسن سلوک کرو۔ تمام اوامر انجام دیتے ہوئے طریق احسانی ہی کو بروئے کار لاؤ، نواہی سے بچو اور اللہ سے ڈرو۔[2]

اور ان میں سے جو تمھیں ناپسند ہیں، ان کے ساتھ صبر شکر سے گزارہ کرو۔

① تفسير السعدي، ص: 225. ② تفسير السعدي، ص: 225.

29

بیویوں میں سے کسی ایک ہی کی طرف میلان کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ﴾

''اور تم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ تم اپنی بیویوں میں ہر طرح سے عدل کرو، خواہ تم اس کی کتنی ہی خواہش رکھو، پھر تم کسی ایک کی طرف پوری طرح مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری کو بیچ میں لٹکتی چھوڑ دو اور اگر تم اصلاح کا رویہ اختیار کرو اور پرہیز گار بنو تو اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے اور اگر وہ دونوں (میاں بیوی) ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ اپنے فضل سے ہر ایک کو (دوسرے سے) بے نیاز کر دے گا۔''[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ شوہر اپنی بیویوں کے درمیان انصاف نہیں کر سکتے۔ پورا پورا عدل و انصاف کرنا ان کے بس کی بات نہیں کیونکہ عدل کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمام بیویوں سے یکساں محبت ہو، محبت کا داعیہ سب کے لیے برابر ہو اور قلبی

[1] النسآء 4: 130,129.

میلان بھی ان سب کے لیے مساوی ہو۔ پھر اس کے تقاضے کے مطابق عمل ہو مگر ایسا کرنا ناقابل عمل ہے، اس لیے کہ جو چیز انسان کے بس میں نہیں، اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا ہے اور اسی چیز کی ممانعت فرمائی ہے جو انسان کے بس میں ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ ''ایک ہی طرف اس طرح مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری (بیوی) کو ایسی حالت میں چھوڑ دو کہ گویا وہ لٹک رہی ہے۔'' یعنی تم ایک طرف بہت زیادہ نہ جھک جاؤ کہ ان کے واجب حقوق بھی ادا نہ کر سکو بلکہ مقدور بھر عدل و انصاف سے کام لو۔ پس نان و نفقہ، لباس اور شب باشی کی تقسیم وغیرہ ایسے امور ہیں جن میں عدل کرنا تم پر فرض ہے، اس کے برعکس محبت اور مجامعت وغیرہ میں عدل و انصاف ممکن نہیں، پس جب شوہر بیوی کے وہ حقوق ادا نہیں کرتا جنھیں ادا کرنا واجب ہے تو بیوی اس کسمپرس معلق عورت کی طرح ہو جاتی ہے جس کا خاوند ہی نہیں ہوتا کہ جس سے وہ راحت حاصل کرے۔[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ عورتوں کے درمیان ہر لحاظ سے عدل و مساوات ممکن ہی نہیں، چاہے باری باری شب باشی کی تقسیم برابر ہو، پھر بھی محبت، چاہت اور مجامعت میں یقیناً فرق رہتا ہے۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کی باری مقرر کرنے میں عدل و انصاف کرتے تھے اور پھر فرماتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ»

[1] تفسير السعدي، ص: 225. [2] المصباح المنير، ص: 329.

"اے اللہ! یہ میری تقسیم اس چیز میں ہے جس کی مجھے قدرت ہے۔ سو مجھے اس چیز پر ملامت نہ کرنا جس میں صرف تیرا اختیار ہے، میرا کوئی اختیار نہیں۔"[1] یعنی دلی محبت میرے بس میں نہیں کہ کم یا زیادہ ہو جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں اصلاح اور تقویٰ کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا﴾ "اور اگر تم صلح کرلو اور تقویٰ اختیار کرو۔" یعنی اگر تم اپنے معاملات میں اصلاح کرلو اور حتی الوسع عدل و انصاف سے کام لو اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ تعالیٰ تمھارے اس طبعی رجحان کو معاف کردے گا۔[2]

یہ چیز اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ صلح کے لیے علی الاطلاق ہر طریقہ بروئے کار لایا جائے۔[3]

پھر فرمایا: ﴿وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ "اور اگر وہ دونوں الگ ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنے فضل سے بے نیاز کردے گا۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تیسری انتہائی صورت کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر سابقہ دونوں صورتیں کارگر ثابت نہ ہوں تو پھر یہ انتہائی قدم اٹھائیں۔ گویا یہ تینوں صورتیں بالترتیب یوں ہیں:

① مرد عورت سے نفرت کرتا ہو۔

② عورت کے ساتھ موافقت ہو۔

① سنن أبي داود، النكاح، باب في القسم بين النسآء، حديث: 2134، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في التسوية بين الضرائر......، حديث: 1140. ② المصباح المنير، ص: 329. ③ تفسير السعدي، ص: 225.

③ مرد عورت کو اپنے سے جدا کردے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر وہ علیحدگی اختیار کرلیتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ دوسرے سے بے نیاز کردے گا، یعنی اللہ تعالیٰ اس مرد کو اس عورت کے عوض اس سے بہتر بیوی دے دے گا اور اس عورت کو اس مرد سے بہتر خاوند عطا کرے گا۔[1]

اس میں زوجین میں سے ہر ایک کے لیے طلاق کے بعد تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کردے گا۔[2] پھر آیت کا اختتام درج ذیل فرمان سے کیا: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ وسیع فضل والا اور عظیم احسانات والا ہے، وہ اپنے تمام افعال و اقدار اور شریعت میں حکیم ہے۔[3]

30

کلالہ کی میراث

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾

"(اے نبی!) لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: اللہ "کلالہ" کے

① المصباح المنير، ص: 329. ② حسن الأسوة، ص: 74. ③ المصباح المنير، ص: 329.

بارے میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے۔ اور اگر بہن کی اولاد نہ ہو تو اس کا بھائی اس کا وارث ہوگا، پھر اگر بہنیں دو (یا دو سے زیادہ) ہوں تو ان کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا دو تہائی ہے۔ اور اگر کئی بھائی بہن، مرد اور عورتیں (وارث) ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا۔''[1]

اس آیت کی شان نزول یہ ہے: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ میرے گھر تشریف لائے، میں اس قدر بیمار تھا کہ مجھ پر بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے وضو کیا اور مجھ پر پانی بہایا، یا فرمایا: ''اس پر بہادو۔'' تو مجھے ہوش آ گیا۔ میں نے کہا: میرا سوائے کلالہ کے کوئی وارث نہیں تو میری میراث کس طرح تقسیم ہوگی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آیت میراث نازل فرمائی۔[2] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لوگوں نے رسول اکرم ﷺ سے کلالہ کے بارے میں سوال کیا۔ گویا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ وہ آپ سے کلالہ کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں، انھیں کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اس بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔ اس میں دوسرے ﴿يُفْتِيْكُمْ﴾ کے بعد مذکور لفظ ''کلالہ'' پہلے ﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ﴾ کے بعد محذوف لفظ کلالہ پر دلالت کرتا ہے۔

''کلالہ'' اکلیل (تاج) سے ماخوذ ہے جو سر پر باندھا جاتا ہے اور سر کو ہر طرف

[1] النسآء 4 : 176. [2] صحيح البخاري، المرض، باب وضوء العائد للمريض، حديث: 5676، وصحيح مسلم، الفرائض، باب ميراث الكلالة، حديث : 1616.

سے ڈھانپ لیتا ہے۔ اس لیے اکثر علماء نے اس کی تفسیر یوں کی ہے: وہ شخص جو اس حال میں مرے کہ اپنے پیچھے اولاد چھوڑے نہ باپ۔[1] (جس طرح اکلیل پورے سر کو لپیٹ لیتا ہے، اسی طرح اس کلالہ کی میراث کو اصل اور فرع نہ ہونے کی وجہ سے باقی ورثاء لپیٹ کر لے جاتے ہیں۔)

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کلالہ سے مراد وہ میت ہے جس کی نہ صلبی اولاد ہو، نہ بیٹے کی اولاد ہو اور نہ باپ دادا ہوں۔ اس لیے فرمایا: ﴿اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ﴾ ''اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کی اولاد نہ ہو۔'' یعنی اس کا کوئی بیٹا بیٹی ہو اور نہ بیٹے کی اولاد ہو۔[2]

❁ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے جس کے بیٹے بیٹیاں نہ ہوں اور والد بھی نہ ہو لیکن اس کی حقیقی یا علاتی بہن ہو تو وہ اپنے بھائی کی نصف میراث (ترکے) کی وارث ہوگی۔ اس میں زمین، نقدی اور سونا وغیرہ تمام ترکہ شامل ہوگا۔ یہ عمل ادائے قرض اور وصیت پوری کرنے کے بعد ہوگا۔

❁ اسی طرح کلالہ کا اگر صرف حقیقی یا علاتی بھائی ہو تو وہ پوری میراث کا وارث ہوگا۔ اس کا مقرر حصہ نہیں ہے بلکہ عصبہ ہونے کے اعتبار سے وہ تمام ترکے کا وارث ہوگا، بشرطیکہ اس کے ساتھ کوئی صاحب فرض (جس کا حصہ مقرر ہو) نہ ہو یا کوئی اور عصبہ شریک نہ ہو۔

❁ اگر کلالہ کی دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو وہ دو تہائی ($\frac{2}{3}$) کی وارث ہوں گی۔ اگر بہنیں اور بھائی کلالہ شخص کے وارث ہوں تو بطور عصبہ وارث بنیں گے اور مرد کو عورت

[1] المصباح المنير، ص: 347. [2] تفسير السعدي، ص: 238.

سے دوگنا ملے گا۔ پس عورتوں کا مقرر حصہ ($\frac{2}{3}$) ساقط ہوجائے گا اور ان کے بھائی انھیں عصبہ کی حیثیت دے دیں گے۔[1]

پھر آیت کا اختتام درج ذیل الفاظ سے کیا: ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○﴾ یعنی اللہ تعالیٰ تم پر فرائض مقرر کرتا ہے، حدود متعین کرتا ہے اور اپنے احکام واضح کرتا ہے تاکہ تم حق کے واضح ہوجانے کے بعد گمراہ نہ ہو۔[2]

تاکہ تم اس کے بیان سے راہ ہدایت پالو، اس کے احکام پر عمل کرو اور صراطِ مستقیم پر کاربند ہوجاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمام امور کے انجام، مصالح اور اس میں بندوں کی بھلائی سے خوب واقف ہے۔ مرنے والے اقرباء میں سے جو جو اپنی قرابت کے لحاظ سے جتنا جتنا مستحق ہے، اللہ اس سے آگاہ ہے اور اس کے بیان اور تعلیم کے تم جس قدر محتاج ہو، اللہ اسے بھی جانتا ہے۔ وہ اپنے علم میں سے تمھیں علم سکھاتا ہے جو تمھیں ہر زمان و مکان میں ہمیشہ فائدہ دے گا۔[3]

31

پاک دامن اہل کتاب خواتین

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① المصباح المنير، ص: 348، وتفسير السعدي، ص: 238. ② المصباح المنير، ص: 348. ③ المصباح المنير، ص: 348، وتفسير السعدي، ص: 238.

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ﴾

”اور تمھارے لیے پاک دامن مسلمان عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی جبکہ تم انھیں ان کے مہر دے دو، نیز انھیں نکاح کی قید میں لانے والے بنو نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ چھپی آشنائی رکھنے والے۔“[1]

اس آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ کی آزاد عفت مآب عورتوں سے نکاح کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے تمھارے لیے جس طرح آزاد مومنات پاک دامن عورتوں سے نکاح کو حلال قرار دیا، اسی طرح یہود و نصاریٰ کی آزاد پاک دامن عورتوں سے بھی نکاح کو جائز قرار دیا۔ اور محصنات سے مراد بدکاری سے پاک رہنے والی خواتین ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا: ﴿مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ﴾ ”جب وہ نکاح میں لائی گئی ہوں بدکاری کرنے والی نہ ہوں اور چھپے یار بنانے والی بھی نہ ہوں۔“[2] اللہ تعالیٰ نے پاک دامن اہل کتاب عورتوں کو ان کے مہر ادا کرنے کے بعد ان سے بھی نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور جس کی نیت مہر ادا کرنے کی نہ ہو، اس کے لیے ان سے نکاح جائز نہیں۔ اگر وہ عورت سمجھ دار ہے تو مہر اسے دینے کا حکم ہے ورنہ شوہر اس عورت کے ولی کو مہر دے دے۔ مہر عورتوں کے سپرد کرنے کا حکم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورت پورے مہر کی مالک ہوتی ہے۔ اگر وہ خود خاوند اور ولی وغیرہ کو نہ دے تو کسی کے لیے

① المآئدة 5 :5. ② النسآء 4 :25.

اس سے جبراً مہر کی رقم لینا جائز نہیں۔ ﴿مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ یعنی اے شوہرو! اس حال میں کہ تم اپنی بیویوں کی عفت کی حفاظت کر کے انھیں پاک باز رکھو نہ کہ اس حال میں کہ تم ہر ایک کے ساتھ زنا کرتے پھرو۔[1] اور نہ اس حالت میں کہ تم اپنی معشوقاؤں سے بدکاری کرو۔ اس میں زمانۂ جاہلیت میں رائج زنا کے طریقوں کا رد ہے۔ اس طرح کہ کچھ لوگ کسی بھی عورت سے زنا کرتے تھے اور کچھ لوگ صرف اپنی معشوقہ سے بدکاری کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ یہ تمام صورتیں پاک دامنی کے منافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورتوں سے نکاح کے لیے ان کی پاک دامنی کی شرط عائد کی ہے، اسی طرح یہ شرط مردوں پر بھی پوری طرح لاگو ہے، یعنی مرد بھی پاک دامن اور بدکاری سے دور رہنے والا ہو۔[2]

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بہت سے لوگوں نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کیے۔ صحابہ کی ایک کثیر جماعت نے عیسائی عورتوں سے نکاح کیا۔ وہ اس آیت کریمہ سے دلیل لیتے تھے اور اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے: ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس آیت کو سورۂ نساء کی آیت: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ کا مخصص قرار دیا ہے۔ اگرچہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل کتاب کی عورتیں بھی اس کے عموم میں داخل ہیں۔ درست بات یہ ہے کہ اس میں کوئی معارضہ نہیں ہے کیونکہ اہل کتاب کا ذکر مشرکین سے الگ ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ﴾

1 تفسير السعدي، ص: 243. 2 المصباح المنير، ص: 385.

”اہل کتاب کے کافر اور مشرکین (کفر سے) رکنے والے نہ تھے۔“[1]

البتہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عیسائی عورتوں سے نکاح جائز نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے نہیں معلوم کہ عیسیٰ علیہ السلام کو رب بنانے سے بڑا شرک اور کیا ہے؟[2]

32

چوری کرنے والی عورت کی سزا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾

”اور تم چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو، یہ اللہ کی طرف سے اس گناہ کی عبرت ناک سزا ہے جو انھوں نے کیا۔“[3]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے «سَارِق» کے ساتھ «سَارِقَة» کا لفظ اس معاملے کی زبردست اہمیت کے پیش نظر بیان فرمایا ہے کیونکہ قرآن مجید میں اکثر اوقات تشریع احکام میں مردوں ہی کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔

«سَرِقَة» ”را کے کسرہ کے ساتھ“ چوری شدہ چیز کو کہتے ہیں اور «السَّرِقُ» مصدر کا معنی ہے آنکھوں سے اوجھل خفیہ طریقے سے کوئی چیز پکڑنا۔ اس آیت میں «سَارِقٌ»

1 البينة 98:1. 2 المصباح المنير، ص: 357. 3 المآئدة 5: 38.

کے لفظ کو «سَارِقَةُ» کے لفظ سے مقدم رکھا گیا ہے۔ جبکہ زنا سے متعلقہ آیت میں «زَانِيَةُ» کے لفظ کو «زَانِي» سے مقدم کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد عموماً چوری میں عورتوں کی نسبت زیادہ رغبت رکھتے ہیں جبکہ زنا میں عورتیں مردوں سے زیادہ میلان رکھتی ہیں۔ اور ہاتھ کاٹنے کا مطلب ہے کہ مرد اور عورت میں سے جو بھی چوری کرے، اس کا ہاتھ کلائی سے کاٹ دو۔[1]

چور وہ شخص ہے جو دوسروں کا مُحرز و محفوظ مال ان کی رضامندی کے بغیر ہتھیاتا ہے۔ بدترین سزا، یعنی دایاں ہاتھ کاٹنے کا موجب ہونے کے باعث چوری کا شمار کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے جیسا کہ بعض صحابہ کی قراءت ہے کہ ہاتھ دایاں کاٹا جائے گا۔ ہاتھ کا اطلاق کلائی کے جوڑ تک ہتھیلی پر ہوتا ہے۔ جب کوئی چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹ دیا جائے گا اور اس کے بعد اسے تیل میں داغ دیا جائے گا تاکہ رگیں مسدود ہو جائیں اور خون رک جائے۔ سنت نبوی نے آیت کی اس عمومی نوعیت کو کئی پہلوؤں سے محدود کیا ہے۔

* **حفاظت:** چوری کا اطلاق اس وقت ہوگا جب مال محفوظ جگہ سے اٹھایا جائے۔ مال کی حفاظت سے مراد وہ معیار حفاظت ہے جو عموماً اختیار کیا جاتا ہے، مثلاً: گھر کی حدود میں موجود مال۔ اگر کسی نے غیر محفوظ مال چوری کیا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔
* **نصاب:** چور کا ہاتھ اس وقت کٹے گا جب مسروقہ مال تا حد نصاب ہو۔ اور نصاب کم از کم ربع ($\frac{1}{4}$) دینار یا تین درہم یا ان کے مساوی مالیت ہے۔ اگر اس سے کم مالیت یا کم مالیت والی چیز ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

[1] حسن الأسوة، ص: 77.

شاید یہ تفصیل لفظ سرقہ یا اس کے معنی سے ماخوذ ہے کیونکہ ''سرقہ'' سے مراد کوئی چیز اس طرح لینا ہے کہ اس سے احتراز ممکن نہ ہو اور یہ اسی وقت ہوگا جب مال کو محفوظ رکھا گیا ہو۔ اگر مال بحفاظت نہ رکھا گیا ہو تو یہ شرعی سرقہ میں شمار نہیں ہوگا۔

یہ بھی حکمت کا تقاضا ہے کہ معمولی اور حقیر شے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ اس کے لیے کم از کم چوری کے نصاب کا تعین ضروری ٹھہرا۔ اور کتاب اللہ کی تخصیص شرعی دلیل ہی سے ہوگی جیسا کہ حدیث سے اس نصاب کا تعین ہوگیا کہ وہ کم از کم ربع $\frac{1}{4}$ دینار ہے۔

چوری میں ہاتھ کاٹنے کی حکمت یہ ہے کہ اس سے مال محفوظ ہو جاتے ہیں اور وہ عضو بہر حال کٹ ہی جانا چاہیے جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور یہ شرمناک جرم کیا۔[1]

رہا یہ سوال کہ چور کا ہاتھ کب کاٹا جائے گا؟ تو اس بارے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي رُبْعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا»

''ربع $\frac{1}{4}$ دینار اور اس سے زیادہ (کی چوری) میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔''[2]

یہ حدیث اس مسئلہ میں فیصلہ کن ہے اور ربع ($\frac{1}{4}$) دینار تک کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کے بارے میں نص ہے۔

اگر کوئی شخص باز نہ آئے، بار بار چوری کرے تو پہلی بار اس کا ہاتھ کلائی سے کاٹ

[1] تفسير السعدي، ص: 254,253. [2] صحيح البخاري، الحدود، باب قوله تعالىٰ: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ وفي كم يقطع؟ حديث: 6790، وصحيح مسلم، الحدود، باب حد السرقة ونصابها، حديث: 1648.

دیا جائے، دوسری بار چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے، پھر چوری کرے تو بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے۔ اس کے باوجود بھی باز نہ آئے تو اس کا دایاں پاؤں بھی کاٹ دیا جائے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اسے تاحیات جیل میں قید کردیا جائے۔[1] ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ یعنی یہ ہاتھ کاٹ دینا چور کو اس جرم کی سزا ہے کہ اس نے لوگوں کا مال چرایا۔ یہ سزا چور اور دیگر لوگوں کو ڈرانے کے لیے ہے کیونکہ جب انھیں معلوم ہوگا کہ چوری پر ہاتھ کٹ جائے گا تو وہ اس کی جرأت ہی نہیں کریں گے۔[2]

اللہ تعالیٰ انتقام لینے میں زبردست ہے، اس کا ہر حکم، نہی اور پوری شریعت حکمت پر مبنی ہے۔ اس کی قدرت کا ہر قانون اس کے حکیم ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔[3]

وہ غالب اور حکمت والا ہے اس لیے اس نے مرد و عورت میں سے ہر دو کا چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔

33

اللہ تعالیٰ کے ساتھ والدین کا شرک

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ

[1] تفسير السعدي، ص: 254. [2] تفسير السعدي، ص: 254. [3] المصباح المنير، ص:377.

اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا﴾

”وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے تمھیں ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے، پھر جب اس (کسی مرد) نے بیوی سے صحبت کی تو اسے ہلکا سا حمل ہوگیا تو وہ اسے لیے پھرتی رہی، پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو ان دونوں نے اپنے رب، اللہ سے دعا کی کہ اگر تو نے ہمیں تندرست بچہ دیا تو ہم ضرور (تیرے) شکرگزاروں میں سے ہوں گے، چنانچہ جب اللہ نے انھیں تندرست بچہ دیا تو انھوں نے اس (بچے) میں، جو اللہ نے انھیں دیا تھا، اس کے شریک ٹھہرا لیے۔“[1]

شروع آیت میں حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار آدم وحوا علیہما السلام کی تخلیق کے تذکرے سے اس طرح بیان فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے جس نے سارے بنی آدم کو ایک ذات آدم سے پیدا کیا اور انھی سے ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ آدم علیہ السلام کو ایک ہم جنس ہم دم کے ذریعے سے سکون حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کی اس صنعتِ عجیبہ کا تقاضا یہ تھا کہ تمام اولاد آدم ہمیشہ اس کی شکرگزار ہوتی اور کسی مخلوق کو اس کی صفاتِ کاملہ میں شریک نہ ٹھہراتی، مگر غفلت شعار انسان نے معاملہ اس کے خلاف کیا جس کا بیان اسی آیت کے دوسرے جملہ اور بعد کی آیت

[1] الأعراف 7 : 190,189.

میں اس طرح فرمایا گیا:

﴿فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○﴾

یعنی اولادِ آدم نے اپنی غفلت و ناشکری سے اس معاملہ میں عمل یہ کیا کہ جب نر و مادہ کے باہمی اختلاط سے حمل قرار پایا تو شروع شروع میں جب تک حمل کا کوئی بوجھ نہ تھا عورت آزادی کے ساتھ چلتی پھرتی رہی، پھر جب حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے تین اندھیروں کے اندر اس حمل کی تربیت کر کے اس کو بڑھایا اور اس کا بوجھ محسوس ہونے لگا تو اب ماں باپ فکر میں پڑ گئے اور یہ خطرے محسوس کرنے لگے کہ اس حمل سے کیسی اولاد پیدا ہوگی کیونکہ بعض اوقات انسان ہی کے پیٹ سے عجیب عجیب طرح کی مخلوق بھی پیدا ہوجاتی ہے اور بعض اوقات ناقص الخلقت بچہ پیدا ہوجاتا ہے، اندھا یا بہرا یا گونگا یا ہاتھ پیر سے معذور۔ ان خطرات کے سبب ماں باپ یہ دعائیں مانگنے لگے کہ یا اللہ ہمیں صحیح سالم بچہ عنایت فرما! اگر صحیح سالم بچہ پیدا ہوا تو ہم شکر گزار ہوں گے۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں سن لیں اور بچہ صحیح سالم عطا کر دیا تو اب شکر گزاری کے بجائے شرک میں مبتلا ہوگئے اور یہ اولاد ہی ان کے شرک میں مبتلا ہونے کا سبب بن گئی، جس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، کبھی تو عقیدہ ہی فاسد ہوتا ہے، یوں سمجھ بیٹھتے ہیں کہ یہ بیٹا کسی ولی یا بزرگ نے دیا ہے، کبھی یہ ہوتا ہے کہ عملاً اس بچہ کو کسی زندہ یا مردہ بزرگ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کے نام کی نذر و نیاز

کرنے لگتے ہیں یا بچہ کو لے جا کر اُن کے سامنے اس کا ماتھا ٹیک دیتے ہیں اور کبھی بچے کا نام رکھنے میں مشرکانہ انداز اختیار کرتے ہیں، عبد اللات، عبد العزّٰی یا عبد الشمس یا بندۂ علی، پیراں دتہ، پیربخش، حسین بخش وغیرہ ایسے نام رکھ دیتے ہیں جن سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ بچہ اللہ تعالیٰ کے بجائے ان بتوں یا ان بزرگوں کا پیدا کیا ہوا بندہ ہے، یہ سب مشرکانہ عقائد و اعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمت کے مقابلہ میں شکر کے بجائے ناشکری کی مختلف صورتیں ہیں۔

دوسری آیت کے آخر میں ان لوگوں کی بے راہی اور کج روی کو واضح کرنے کے لیے فرمایا: ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○﴾ یعنی پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جس کو ان لوگوں نے اختیار کیا۔

آیاتِ مذکورہ کی اس تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس آیت کے پہلے جملے میں آدم و حوا کا ذکر کر کے اولادِ آدم کو ان کے اتباع اور شکر گزاری کی تعلیم دی گئی ہے، اور آخری جملوں میں بعد کی آنے والی اولادِ آدم کی گمراہی اور کج روی کا بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے بجائے شکر گزاری کے شرک کو اختیار کر لیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ شرک اختیار کرنے والوں کے معاملے کا تعلق آدم و حوا علیہما السلام سے بالکل نہیں جس کے سبب حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت پر کوئی شبہ ہو، بلکہ اس کا تعلق بعد کی آنے والی نسلوں کے عمل سے ہے، اور یہ تفسیر جو ہم نے اختیار کی ہے تفسیر الدر المنثور میں بروایت ابن المنذر و ابن ابی حاتم مفسر القرآن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ دیگر تابعین سے بھی اس طرح کی تفسیر منقول ہے، اور جن روایات میں اس شرک کی نسبت آدم و حوا علیہما السلام یا صرف حوا کی طرف کی گئی ہے، وہ سب باطل ہیں۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ شرک آدم علیہ السلام سے نہیں بلکہ بعض اہل ملت سے سرزد ہوا تھا۔ انھی سے مروی ہے: اس سے مراد آدم علیہ السلام کی اولاد اور ان کے بعد وہ لوگ ہیں جنھوں نے شرک کیا تھا۔[1]

قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: اس سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اولاد کی نعمت سے نوازا تو انھوں نے انھیں یہودی اور عیسائی بنا دیا۔ یہ دونوں تفسیریں حسن بصری رحمہ اللہ سے صحیح سند سے مروی ہیں۔ اور یہی صحیح اور درست تفسیریں ہیں۔[2]

34

مومن عورتیں مستحقِ رحم ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ أُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ﴾

”مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن

① المصباح المنير، ص: 518,519. ② المصباح المنير، ص: 519.

پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا۔“[1]

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذموم صفات بتانے کے بعد مومنوں کی قابل تعریف خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مومن مرد اور عورتیں باہم مددگار ہیں، یعنی محبت، موالات اور منسوب ہونے میں۔[2] پس وہ ایک دوسرے کی مدد و نصرت کرتے اور تائید وتقویت دیتے ہیں۔[3]

جیسا کہ نبی ﷺ کی صحیح حدیث ہے:

«اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»

”مومن باہم عمارت کی طرح ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔“[4]

مومنوں کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو معروف، یعنی نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ اور «اَلْمَعْرُوف» ہر ایسے کام کے لیے ایک جامع نام ہے جس کی بھلائی مسلم ہو، مثلاً: عقائد حسنہ، اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ وغیرہ۔[5] اسی طرح وہ منکرات سے ایک دوسرے کو روکتے ہیں۔ ہر وہ کام جو «اَلْمَعْرُوف» کے منافی ہو، منکر کہلاتا ہے، مثلاً: عقائد باطلہ، اعمال خبیثہ اور اخلاق رذیلہ وغیرہ۔ ان کی صفات میں یہ بھی ہے کہ وہ نماز کو اس کے وقت اور ارکان وشروط کے ساتھ ادا کر کے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے فرض زکاۃ اور نفلی صدقات ادا کر کے مخلوق کے ساتھ احسان اور نیکی کرتے ہیں۔ ان صفات کے ساتھ متصف افراد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ان پر رحم فرمائے گا، یعنی انھیں اپنی رحمت اور

① التوبة 9:71. ② تفسير السعدي، ص: 393. ③ المصباح المنير، ص: 579. ④ صحيح البخاري، المظالم، باب نصر المظلوم، حديث: 2446. ⑤ تفسير السعدي، ص: 393.

فضل و احسانات سے نوازے گا۔[1] ﴿سَيَرْحَمُهُمُ﴾ میں ''سین'' اس رحمت کے وعدے کے تحقق اور یقینی ہونے پر دلالت کرنے کے لیے ہے۔[2] ﴿إِنَّ اللهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○﴾ اپنی اطاعت کرنے والے مومن مردوں اور عورتوں کو عزت سے نوازے گا کیونکہ عزت اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔ بالخصوص مومنوں کو ان صفات سے متصف کرنے میں اس کی حکمت پنہاں ہے۔

35

عزیز مصر کی بیوی کا بہکاوا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ط قَالَ مَعَاذَ اللهِ إِنَّهُ رَبِّيٓ أَحْسَنَ مَثْوَايَ ط إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ۦ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ أَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّهِ﴾

''اور جس عورت کے گھر میں وہ (یوسف) تھا، اس عورت نے اس کے جی سے پھسلایا اور دروازے بند کر دیے اور بولی: لو آجاؤ، یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ (عزیز مصر) تو میرا آقا ہے، اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا، بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے۔ اور بلاشبہ یقیناً اس (عورت) نے یوسف کا ارادہ کیا اور وہ (یوسف) بھی اس کا ارادہ کر لیتا اگر وہ اپنے رب کی نشانی نہ

1 تفسير السعدي، ص: 393. 2 حسن الأسوة، ص: 81.

دیکھ لیتا۔''[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کی بیوی کے بارے میں بتایا ہے جس کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے۔ عزیز مصر نے اپنی بیوی کو یوسف علیہ السلام کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان کی عزت کرنے کی تاکید کر رکھی تھی مگر اس کے برعکس اس نے یوسف علیہ السلام کو بہکانے کی پوری کوشش کی، یعنی انھیں اپنی طرف راغب کرنے کی حیلہ سازی کی کیونکہ یوسف علیہ السلام کے بے مثل حسن و جمال کی وجہ سے وہ آپ پر فریفتہ ہوگئی تھی۔ اس نے خوب بن سنور کر انھیں اپنے پاس بلایا اور دروازے بند کر کے برائی کی دعوت دی جسے انھوں نے بڑی حقارت سے ٹھکرا دیا۔[2]

عزیز مصر کی بیوی کا بہکاوا سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے اس سے بھی بڑی آزمائش تھی جو انھیں اپنے بھائیوں کی طرف سے پیش آئی تھی، جب انھوں نے انھیں کنویں میں ڈال دیا تھا۔ اور اس آزمائش پر ان کا صبر کرنا کنویں والی اذیت پر صبر سے زیادہ بڑے اجر کا موجب بنا کیونکہ اس قبیح فعل کے وقوع کے کثیر اسباب کے باوجود انھوں نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو ان اسباب پر مقدم رکھا۔ اور جہاں تک بھائیوں کی اذیتوں پر صبر کا تعلق ہے تو وہ اضطراری تھا، جیسے امراض اور دیگر تکالیف بندے کے اختیار کے بغیر اسے لاحق ہوتی ہیں جن پر طوعاً یا کرہاً صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ جذباتی آزمائش کا یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر نہایت عزت و اکرام کے ساتھ رہ رہے تھے۔ وہ کامل حسن و جمال اور مردانہ وجاہت کے حامل تھے۔ یہی چیز ان کی آزمائش کا سبب بن گئی، وہ جس عورت کے گھر میں

1 يوسف 12 : 24,23. 2 المصباح المنير، ص: 658,657.

رہتے تھے، اس نے انھیں اپنی طرف مائل کرنا چاہا، یعنی جس کے وہ غلام اور زیر دست تھے، اس نے ان پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیے۔ وہ ایک ہی گھر میں رہتے تھے جہاں بغیر کسی مؤاخذے اور خطرے کے نہایت آسانی سے مکروہ فعل کے مواقع میسر تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر مصیبت یہ بنی کہ اس نے دروازے بند کر دیے، مکان خالی ہوگیا، دروازے بند کر دینے کے باعث وہاں کسی کے آنے کا خدشہ بھی نہیں رہا۔ اس عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ بدکاری کی دعوت دی اور کہنے لگی: ادھر آؤ اور برائی کا ارتکاب کرو۔ اس کے باوجود کہ یوسف علیہ السلام غریب الوطن تھے، ایسا شخص اُس طرح اپنے غصے اور ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کر سکتا جس طرح وہ اپنے وطن میں جان پہچان والوں کے درمیان رہ کر کرتا ہے (انھوں نے اس کی پیش کش کو حقارت سے ٹھکرا دیا)۔[1]

اس عورت نے انھیں دھمکی دی کہ اگر تم نے میری خواہش پوری نہ کی تو میں تمھیں جیل بھجوا دوں گی یا سخت سزا دوں گی مگر یوسف علیہ السلام اس فعل کا قوی داعیہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے رکے رہے اور اللہ تعالیٰ کی مراد کو اپنے نفس کی مراد پر مقدم رکھا جو ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے، انھیں اپنے رب کی برہان نظر آئی، یعنی ان کے پاس جو علم و ایمان تھا، وہ اس بات کا موجب تھا کہ وہ ہر اس چیز کو ترک کر دیں جسے اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ برہان انھیں اس گھناؤنے گناہ سے دور رکھنے کا باعث بنی۔

اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان، اس کا تقویٰ، علم نافع، عمل صالح اور اللہ تعالیٰ کے لیے

[1] تفسير السعدي، ص: 457,456.

اخلاص ایسے موانع ہیں جو بندے کو کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے باز رکھتے ہیں، بشرطیکہ اس کے ساتھ ساتھ دعا اور رب العزت سے استعانت کا وسیلہ بھی اختیار کیا جائے۔ یہ سب کچھ اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام نے کیا جب انھوں نے کہا: ﴿مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ یعنی میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں کہ اس قبیح فعل کا ارتکاب کروں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے اور بندہ اس سے دور ہوجاتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ میرے آقا کی بیوی ہے جس نے مجھے نہایت باعزت ٹھکانا دیا ہے، لہٰذا میرے لیے مناسب نہیں کہ اس کے احسان کے بدلے میں اس کی گھر والی کے ساتھ ایسی قبیح حرکت کروں، یہ تو نہایت گھناؤنا ظلم ہے اور ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے یوسف علیہ السلام سے بدی اور بے حیائی کو دور رکھا کیونکہ وہ ان بندوں میں سے تھے جو اپنی عبادات میں اخلاص سے کام لیتے تھے اور تمام ناپسندیدہ امور سے دور اور نفور تھے۔ بنا بریں وہ اللہ تعالیٰ کے بہترین بندوں میں سے تھے۔

36

عورتوں کی چالیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَاجَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ قَالَ

هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ○ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۜ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ○﴾

”اور وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس (عورت) نے اس (یوسف) کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی اور دونوں نے اس کے خاوند کو دروازے کے پاس پایا تو وہ (جھٹ سے) بولی: اس کی کیا سزا ہے جو تیری بیوی سے برائی کا ارادہ کرے، سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا دردناک عذاب (دیا جائے)۔ یوسف نے کہا: اسی نے مجھے میرے جی سے پھسلایا۔ اور اس (عورت) کے خاندان میں سے ایک شاہد نے گواہی دی کہ اگر اس (یوسف) کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو یہ (عورت) سچی ہے اور وہ (یوسف) جھوٹوں میں سے ہے۔ اور اگر اس (یوسف) کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو یہ (عورت) جھوٹی ہے اور وہ (یوسف) سچا ہے۔ جب اس (عزیز) نے یوسف کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی دیکھی تو وہ کہنے لگا: بے شک یہ تم عورتوں کے مکروفریب میں سے ہے، بے شک تمھارا مکر بہت بڑا (خطرناک) ہے۔ اے یوسف! اس (بات) سے درگزر کر اور (بیوی سے کہا:) تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ، بے شک تو ہی خطا کار ہے۔“[1]

[1] يوسف 12 : 25-29.

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ عزیز کی بیوی نے بہت بہکایا اور ورغلایا مگر یوسف علیہ السلام نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ اپنی عزت بچانے اور اس آزمائش سے نکلنے کے لیے دروازے کی طرف بھاگے، عزیز کی بیوی انھیں پکڑنے کے لیے ان کے پیچھے دوڑی۔ اس دوران میں جب کہ عزیز کی بیوی تعاقب میں تھی، اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو روکنے کے لیے پیچھے سے ان کی قمیص پکڑی تو وہ بری طرح پھٹ گئی حتی کہ کہا جاتا ہے کہ پوری قمیص پھٹ کر الگ ہوگئی۔ وہ اسی حال میں بھاگتے ہوئے دروازے تک پہنچے تو سامنے اس عورت کا خاوند کھڑا تھا۔ اس نے جب یہ صورت حال دیکھی تو اس پر بہت گراں گزری۔ عورت نے اپنا دامن بچانے اور خود کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے مکروفریب کیا۔ اس نے یوسف علیہ السلام پر الزام دھرتے ہوئے اپنے خاوند سے کہا:[1] اس نے مجھے اپنی طرف مائل کرنے اور بہکانے کی کوشش کی ہے، لہٰذا اسے قید کر دینا چاہیے یا سخت سزا دینی چاہیے۔ غور کیجیے کہ اس عورت نے کیا کہا: ﴿مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا﴾ یعنی اس شخص کی کیا سزا ہے جو تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے۔ یہ نہیں کہا کہ جس نے تیرے اہل کے ساتھ برائی کی کیونکہ وہ اپنے آپ کو اور یوسف علیہ السلام کو اس فعل سے بری ظاہر کرنا چاہتی تھی۔[2]

یوسف علیہ السلام اپنے آپ کو اس الزام سے بری کرنے کے لیے جو اس عورت نے لگایا تھا، کہا: ﴿هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ﴾ یعنی اسی نے مجھے بے حیائی کے ارتکاب کی دعوت دی ہے اور میں انکار کرتے ہوئے اندر سے بھاگ آیا ہوں۔[3] اللہ تعالیٰ نے حق و صداقت کی کچھ علامات مقرر فرمائی ہیں جو حق کی طرف راہنمائی کرتی ہیں جنھیں

[1] المصباح المنير، ص: 659. [2] تفسير السعدي، ص: 457. [3] حسن الأسوة، ص: 86.

بسا اوقات لوگ جانتے ہیں اور بسا اوقات انھیں علم نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس قضیہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے سچائی کی پہچان کرائی تاکہ اس کے برگزیدہ نبی یوسف علیہ السلام کی براءت کا اظہار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے گھر والوں میں سے ایک شاہد (گواہ) کھڑا کر دیا اور اس نے قرینے کی گواہی دی کہ جس کے پاس یہ قرینہ موجود ہوگا، وہی سچا ہے۔ اس نے کہا: ﴿إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾ "اگر اس کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہے تو یہ عورت سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے۔" کیونکہ یہ صورت حال دلالت کرتی ہے کہ یوسف علیہ السلام ہی آگے بڑھ کر اس عورت پر ہاتھ ڈالنے والے، اسے پھسلانے والے ہیں کیونکہ جب انھوں نے اس عورت پر ہاتھ ڈالا تو اس نے انکار کرتے ہوئے ان کے سینے میں دھکا مارا اور اپنا دفاع کیا جس کے نتیجے میں ان کی قمیص پھٹ گئی ہے، لہٰذا عورت کی بات سچی ہے۔ ﴿وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ "اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو یہ عورت جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے۔" کیونکہ یہ صورت حال حضرت یوسف علیہ السلام کے اپنے آپ کو چھڑا کر بھاگنے پر دلالت کرتی ہے اور یہ بھی واضح کرتی ہے کہ یہ عورت ہی ہے جس نے یوسف علیہ السلام کو پکڑنا چاہا اور اس طرح اس کی قمیص پیچھے سے پھٹ گئی۔[1]

جب اس کے خاوند کو یوسف علیہ السلام کی صداقت اور براءت اور اپنی بیوی کے جھوٹ کا یقین ہوگیا تو اس نے کہا: یہ مکر وفریب اور بہت بڑا بہتان ہے جس کے ذریعے سے تو نے اپنی براءت اور بے قصور یوسف علیہ السلام کو اس گناہ میں ملوث کرنے کوشش کی

[1] تفسير السعدي، ص: 457.

ہے۔ اے عورتو! یہ تمھاری چال ہوتی ہے۔ اس نے عورتوں کی اپنی خواہش پوری کر لینے کے لیے چالبازی کو مطلق طور پر بہت بڑا حربہ قرار دیا اور یوسف علیہ السلام سے درخواست کی کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا بلکہ اب اس بات پر مٹی ڈال دو۔ پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو نے یوسف علیہ السلام پر بہتان عظیم لگانے کا جو جرم کیا ہے، اس پر توبہ کر۔[1]

یوسف علیہ السلام اور اس عورت کا یہ واقعہ شہر میں آگ کی طرح پھیل گیا اور لوگوں کی گفتگو کا محور بن گیا حتیٰ کہ امیروں، وزیروں کی بیویوں تک بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ انھوں نے آپس میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں، عزیز مصر کی بیوی کو بہت برا بھلا کہا اور اس کی حرکت کو نازیبا قرار دیتے ہوئے کہا: یہ کام بہت برا ہے، یہ عورت نہایت معزز شخص کی بیوی ہے، اس کے باوجود یہ اپنے غلام پر ڈورے ڈالتی رہی ہے جو اس کے زیردست تھا اور اس کی خدمت پر مامور تھا۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ اس غلام کی محبت بھی اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔[2]

جب عزیز کی بیوی کو عورتوں کے طعنوں اور چہ میگوئیوں کی اطلاع ملی تو اس نے انھیں ایک دعوت پر مدعو کیا اور ان کے لیے ایک محفل سجائی جہاں مختلف اقسام کے فرش بچھا کر انواع واقسام کے کھانے چن دیے گئے۔ کھانوں میں گوشت اور پھل وغیرہ بھی تھے جنھیں کاٹنے کے لیے چھری کی ضرورت پڑتی ہے، لہٰذا اس نے ہر ایک کو ایک ایک چھری بھی تھما دی۔ ادھر اس نے یوسف علیہ السلام کو نہایت عمدہ لباس زیب تن کرایا وہ پہلے ہی حسن و جمال کے پیکر تھے، خوبصورت لباس نے انھیں چار چاند لگا دیے۔ اس

[1] المصباح المنير، ص: 659. [2] تفسير السعدي، ص: 458.

نے یوسف علیہ السلام کو برائے خدمت ان خواتین کے سامنے آنے کو کہا، جب وہ سامنے آئے تو یہ خواتین ان کے حسن و جمال کی تاب نہ لاسکیں، جلوۂ حسن سے متحیر و مدہوش ہوکر انھوں نے انھی چھریوں سے اپنے ہاتھ کاٹ لیے جو پھل کاٹنے کے لیے ان کے ہاتھوں میں تھمائی گئی تھیں۔ جب انھیں درد کا احساس ہوا تو پکار اٹھیں: ﴿حَاشَ لِلّٰهِ﴾ ''اللہ پاک ہے۔'' یہ شخص انسان نہیں کوئی مکرم فرشتہ ہے کیونکہ انھوں نے کبھی ایسا مسحور کن اور دل ربا منظر دیکھا ہی نہیں تھا۔ عزیز کی بیوی نے ان سے کہا: تم تو مجھے ملامت کرتی تھیں، اب اپنا حشر دیکھو۔ تمھارا کیا بنا؟ پہلی ہی نظر میں اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں! انھوں نے کہا کہ تیرا کوئی قصور نہیں، ہم ہی غلط تھیں کیونکہ ہم نے جو کچھ دیکھا ہے، وہ واقعی ایک زبردست آزمائش ہے۔[1]

جب ان عورتوں کے سامنے یوسف علیہ السلام کا ظاہری جمال عیاں ہوگیا اور وہ انھیں بہت ہی اچھے لگے تو عزیز مصر کی بیوی کے دل باختہ ہونے کی وجہ بھی ان پر ظاہر ہوگئی۔ پھر اس نے چاہا کہ وہ ان عورتوں پر یوسف علیہ السلام کے باطنی حسن، یعنی عفت کامل کی حقیقت بھی نمایاں کردے، چنانچہ اس نے کسی چیز کی پروا کیے بغیر، کیونکہ آج عورتوں کی طرف سے ملامت ختم ہوچکی تھی، یوسف علیہ السلام سے اپنی شدید محبت کا اعلان کیا اور کہا:

﴿وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ﴾

''اور میں نے پھسلایا تھا اسے اس کے جی سے، پس اس نے اپنے آپ کو بچالیا۔''[2]

[1] المصباح المنیر، ص: 660. [2] یوسف 12 :32.

یعنی یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو بچالیا مگر وہ اب بھی یوسف علیہ السلام کو پھسلانے کے موقف پر قائم تھی اور ان کے لیے اس کی بے قراری، بے تابی، محبت اور شوق وصال میں اضافہ ہی ہوتا جارہا تھا، چنانچہ اس نے عورتوں کی موجودگی ہی میں یوسف علیہ السلام کی نسبت کہا:

﴿وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝﴾

''اگر اس نے وہ کام نہ کیا جس کا حکم میں اسے دے رہی ہوں تو یہ یقیناً قید کردیا جائے گا اور بے عزت ہوگا۔''[1]

﴿مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ﴾[2] سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عورتیں بھی یوسف علیہ السلام کو بے حیائی کی بات ماننے کا مشورہ دے رہی تھیں اور انھیں پھسلانے کی کوشش کررہی تھیں۔[3] پس یوسف علیہ السلام نے اس فوری لذت کے مقابلے میں، جو اُخروی عذاب کی موجب ہے، قید خانے اور دنیاوی عذاب کو ترجیح دی۔[4]

ان کے مکروفریب سے اپنے رب کی پناہ طلب کی کہ وہ ان سے اس کا پیچھا چھڑا دے اور ایک لمحے کے لیے بھی بے یار و مددگار نہ چھوڑے۔ انھوں نے دعا کی کہ رب العزت اپنے خاص فضل وکرم سے ان کی حفاظت فرمائے، پس اللہ نے یوسف علیہ السلام کی دعا قبول کرلی انھیں محفوظ رکھا اور اس عورت کے دام فریب سے بچالیا۔ انھوں نے دنیاوی عیش اور ملکۂ مصر کا مطالبہ پوری قوت اور حقارت سے ٹھکراتے ہوئے قید خانے میں جانا پسند کیا۔ یہ کمال کی اعلیٰ ترین صورت ہے جو دلالت کرتی ہے کہ حضرت

[1] یوسف 12:32. [2] یوسف12:33. [3] تفسیر السعدي، ص 458. [4] تفسیر السعدي، ص: 458.

یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے اور اس کے ثواب کی امید پر نہایت حریص تھے۔

37

بیٹی کی ولادت پر اہلِ عرب کا منفی ردعمل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝﴾

"اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم و غصے سے بھرا ہوتا ہے۔ وہ اس عار کے باعث لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے جس کی اسے بشارت دی گئی ہے، (سوچتا ہے) کیا (اپنی) توہین کے باوجود اسے باقی رکھے یا اسے مٹی میں دبا دے؟ آگاہ رہو! جو وہ فیصلہ کرتے ہیں، وہ بہت برا ہے۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مشرکین مکہ کی بیٹیوں سے نفرت کا ذکر کیا ہے۔[2] وہ بیٹیوں کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے تھے اور اپنے لیے بیٹے پسند کرتے تھے۔ جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی تو غم اور پریشانی کے

[1] النحل 16: 59,58. [2] المصباح المنیر، ص: 733.

مارے اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا حتیٰ کہ وہ اس خبر کی وجہ سے لوگوں میں اپنی سبکی محسوس کرتا اور عار کی وجہ سے منہ چھپاتا پھرتا۔ پھر وہ اپنی اس بیٹی کے بارے میں فکر میں مبتلا ہو جاتا اور فکرِ فاسد کی وجہ سے تذبذب میں پڑ جاتا کہ وہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے؟ اہانت اور ذلت برداشت کر کے اس بیٹی کو زندہ رہنے دے یا پھر اسے زندہ ہی دفن کر دے۔[1] زندہ درگور کرنے کا یہی عمل تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت کی ہے۔

جس معاملے کو وہ اپنے لیے اس قدر ناپسند کرتے ہیں اور اس سے دور بھاگتے ہیں، اسے تو وہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ انھوں نے اللہ پاک کی شان کے خلاف اوصاف سے اسے متصف قرار دیا کہ اس کی طرف اولاد کو منسوب کیا۔ یہ انھوں نے نہایت بری بات کہی، نہایت بری تقسیم کی اور اس کی طرف بیٹیوں کو منسوب کر کے نہایت برا کام کیا۔[2]

اور ان کا یہ اعتقاد (کہ اللہ کی بیٹیاں ہیں) نہایت ہی برا کام ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝﴾

"اور جب ان میں سے کسی کو اس (بیٹی پیدا ہونے) کی بشارت دی جاتی ہے جس کی اس نے رحمٰن کے لیے مثال بیان کی تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا

[1] تفسير السعدي، ص: 513. [2] المصباح المنير، ص: 733، وتفسير السعدي، ص: 514,513.

ہے، جبکہ وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔"[1]

38

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اور بدسلوکی کی ممانعت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝﴾

"اور تمھارے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین سے اچھا سلوک کرو۔ اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تیرے ہاں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو تُو ان سے "اف" تک نہ کہہ اور انھیں مت جھڑک اور ان سے نرم (لہجے میں ادب و احترام سے) بات کر۔ اور ان کے لیے رحم دلی سے عاجزی کے ساتھ اپنا بازو (پہلو) جھکائے رکھ اور کہہ: میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسے انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔"[2]

[1] الزخرف 43:17. [2] بنیٓ إسرآءیل 17: 24,23.

اللہ تعالیٰ نے شرک سے منع کرنے کے بعد توحید کا حکم دیا، چنانچہ فرمایا: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ﴾ یعنی فیصلہ کر دیا اور شرعی حکم دیا ہے ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا﴾ "کہ تم عبادت نہ کرو۔" یعنی آسمان کے رہنے والوں، زندوں یا مردوں میں سے کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اسی کی کیونکہ وہ واحد، یکتا، فرد اور بے نیاز ہے جو ہر صفت کمال کا مالک ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے بعد والدین کے حقوق قائم کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ "اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔" یعنی قول و فعل، ہر لحاظ سے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ کیونکہ والدین ہی بندے کے وجود میں آنے کا سبب ہیں، وہ اولاد کے لیے محبت رکھتے ہیں، اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور اولاد کو قریب رکھتے ہیں۔ یہ امور ان سے نیک سلوک کرنے کے حق کی تاکید اور ان کے ساتھ بھلائی کے التزام و اہتمام کا تقاضا کرتے ہیں۔[1]

جب وہ اس عمر کو پہنچ جائیں جب ان کے قویٰ کمزور پڑ جاتے ہیں اور وہ اپنی جوانی سے زیادہ نرمی اور حسن سلوک کے محتاج ہوتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے اولاد کو حکم دے دیا کہ وہ والدین سے کوئی بری بات نہ کہیں حتیٰ کہ اُف (ہوں) کہنا بھی ممنوع قرار دیا، یہ اذیت کا ادنیٰ ترین درجہ ہے، اس کے ذریعے سے اذیت کی دیگر نوعیتوں پر تنبیہ کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ڈانٹ ڈپٹ، ترش روئی اور اذیت کی ادنیٰ سی بات بھی نہ کہو بلکہ انتہائی نرمی اور نوازش کے پیرائے میں ادب کے ساتھ گفتگو کرو۔ ان کی اس قدر عزت و تکریم کرو کہ انھیں اطمینان حاصل ہو۔[2]

[1] المصباح المنیر، ص: 764، وتفسیر السعدي، ص: 530. [2] المصباح المنیر،

اسی طرح ان کے ساتھ بھلائی کرتے ہوئے اللہ سے اجر کی امید کی خاطر تواضع کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کے بڑھاپے اور وفات کے بعد ان کے لیے رحمت کی دعا کا حکم ہے۔ گویا اولاد کے ذمے ان کی تربیت کے احسان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رحمت طلب کرنا ضروری ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تربیت جتنی زیادہ ہوگی والدین کا حق بھی زیادہ ہوگا اور وہ یہ ہے کہ ان کی زندگی اور وفات کے بعد ان کے ساتھ بدرجۂ غایت حسن سلوک کیا جائے۔

39

شرمگاہ کی حفاظت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝﴾

"اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، سوائے اپنی بیویوں یا ان (کنیزوں) کے جن کے مالک ہوئے ان کے دائیں ہاتھ تو بلاشبہ (ان کی بابت) ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو شخص ان کے علاوہ (رستہ) تلاش کرے تو ایسے لوگ ہی حد سے گزرنے والے ہیں۔"[1]

◄◄ ص: 764، و تفسير السعدي، ص: 530. [1] المؤمنون 23: 5-7.

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے مومن بندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی زنا سے حفاظت کرتے ہیں اور جن برائیوں، مثلاً: زنا اور لواطت وغیرہ سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، ان کا ارتکاب نہیں کرتے اور اپنی بیویوں یا لونڈیوں کے علاوہ جنھیں اللہ نے حلال کیا ہے اور کسی کے قریب نہیں جاتے۔ اور جس سے اللہ نے مباشرت حلال کی ہے، اس سے مباشرت کرنے میں کوئی ملامت اور حرج نہیں ہے۔[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝﴾ یعنی اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے پاس جانے میں ان پر کوئی ملامت نہیں اور شرمگاہ کی کامل حفاظت یہ ہے کہ ان تمام امور سے اجتناب کیا جائے جو زنا کی دعوت دیتے ہیں، مثلاً: غیر محرم کو دیکھنا اور چھونا وغیرہ۔[2]

لیکن جو لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں پر اکتفا نہ کریں بلکہ ان کے علاوہ جنسی اہداف تلاش کریں تو یہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں جنھوں نے اللہ کی حلال کردہ چیزوں سے تجاوز کر کے محرمات کے ارتکاب کی جسارت کی ہے۔ یہ آیت کریمہ متعہ کے حرام ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ نکاح متعہ کے ذریعے سے بننے والی بیوی حقیقی بیوی ہے نہ اسے نکاح میں باقی رکھنا مقصود ہوتا ہے، نہ وہ لونڈیوں کے زمرے میں آتی ہے، مزید برآں یہ آیت کریمہ نکاحِ حلالہ کے حرام ہونے پر بھی دال ہے۔[3]

[1] المصباح المنير، ص: 909. [2] تفسير السعدي، ص: 640. [3] تفسير السعدي، ص: 640.

40

غیر شادی شدہ زانیہ کے لیے سو کوڑوں کی سزا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○﴾

''زانیہ عورت اور زانی مرد، ان دونوں میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو اور اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے دین (پر عمل کرنے) کے معاملے میں تمھیں ان دونوں (زانی اور زانیہ) پر قطعاً ترس نہیں آنا چاہیے اور مومنوں کا ایک گروہ ان دونوں کی سزا کے وقت موجود ہونا چاہیے۔''[1]

آیت مذکور میں یہ حکم غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگائے جائیں، زنا کار اگر شادی شدہ ہو تو صحیح سنت مشہورہ سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اس کی حد رجم (سنگسار کرنا) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے منع کیا ہے کہ زنا کار مرد و زن پر حد جاری کرتے وقت ہم میں ایسا جذبۂ ترحم پیدا ہو جو ہمیں ان پر حد قائم کرنے سے روک دے، خواہ یہ رحم طبعی ہو یا قرابت و دوستی کی

[1] النور 24: 2.

وجہ سے، ایمان ایسے رحم کی نفی کا موجب ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے نفوذ و قیام سے مانع ہو۔[1]

زنا کار اگر غیر شادی شدہ ہو تو مرد کو سو کوڑوں کی سزا کے علاوہ ایک سال کے لیے شہر بدر بھی کیا جائے گا جیسا کہ صحیحین میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ایک اعرابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میرا یہ بیٹا فلاں شخص کے ہاں ملازم تھا، اس نے اس کی بیوی سے بدکاری کی۔ میں نے اس کے بدلے سو بکریاں اور ایک لونڈی بطور جرمانہ ادا کر دی۔ پھر میں نے اہل علم سے پوچھا، انھوں نے مجھے بتایا کہ تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کی جلاوطنی ہو گی۔ اور اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ، اَلْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ رَدٌّ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، أُغْدُ يَا أُنَيْسُ! إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»

''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں بہر صورت تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ لونڈی اور بکریاں تجھے واپس مل جائیں گی، تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کے لیے اسے شہر بدر کر دیا جائے گا۔ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو اسلم قبیلے کے ایک شخص کو حکم دیا:) اے اُنیس! تم اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ، وہ اعتراف گناہ کر لے تو اسے رجم کر دو۔'' وہ اس کے ہاں گئے تو اس نے

[1] تفسير السعدي، ص: 656.

اعتراف کرلیا، پس انھوں نے اسے رجم کردیا۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ زنا کاروں پر حد جاری کرتے وقت اہل ایمان کی کثیر تعداد موجود ہو تاکہ حد کی تشہیر ہو۔ مجرموں کی رسوائی ہو اور وہ اس گھناؤنے جرم سے باز رہیں۔ اور لوگ بالفعل نفاذ حد کا مشاہدہ کریں کیونکہ شریعت کے احکام کے بالفعل مشاہدے سے شریعت کا علم زیادہ پختہ اور اس کا فہم راسخ ہوجاتا ہے اور مشاہدہ کرنے والا منزل صواب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، لہٰذا وہ اس میں اضافہ کرتا ہے نہ کمی۔[2]

41

زانیہ اور مشرکہ سے نکاح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾

''زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت ہی سے اور زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک مرد ہی اور مومنوں پر یہ (زنا کار سے نکاح) حرام ٹھہرایا گیا ہے۔''[3]

[1] صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور......، حديث: 2695، وصحيح مسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى، حديث: 1697، 1698.
[2] تفسير السعدي، ص: 565. [3] النور 24 :3.

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ زانی مرد صرف زانیہ یا مشرکہ عورت ہی سے نکاح کرتا ہے، یعنی وہ اپنی بدکاری کی مراد صرف نافرمان زانیہ یا مشرکہ ہی سے پوری کرسکتا ہے کیونکہ وہ اس کی حرمت کا لحاظ نہیں رکھتی۔[1] اس آیت میں زنا کی رذالت اور قباحت کی طرف اشارہ بھی ہے کہ یہ فعل بد فاعل اور اس سے میل جول رکھنے والے لوگوں کی عزت پر ایسا دھبہ لگا دیتا ہے جو دیگر گناہوں سے نہیں لگتا۔

اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ زانی مرد صرف زنا کار عورت ہی سے نکاح کرے کیونکہ ان دونوں کی صورت حال ایک جیسی ہے یا مشرک عورت اس کے مناسب حال ہے جو یوم آخرت اور جزا و سزا پر ایمان رکھتی ہے نہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا التزام کرتی ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں پر بدکار عورتوں سے اسی طرح عفیف اور پاک دامن عورتوں کا بدکار مردوں سے نکاح حرام قرار دیا ہے۔[3]

اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ مرد یا عورت جو زنا میں ملوث ہے اور اس نے بدکاری سے توبہ بھی نہیں کی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحریم کے باوجود اس سے نکاح کرنے والا، دو میں سے ایک امر سے خالی نہیں۔ یا تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کا التزام کرنے والا نہیں ہے اور یہ صرف مشرک شخص ہی کا وتیرہ ہوسکتا ہے۔ یا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کا التزام کرتا ہے لیکن زنا کار کے زنا کا علم رکھنے کے باوجود اس کے ساتھ عفت مآب عورت کے نکاح کا اقدام کرتا

[1] المصباح المنير، ص: 927. [2] تفسير السعدي، ص: 656. [3] المصباح المنير، ص: 927.

ہے تو ایسا نکاح زنا ہے اور نکاح کرنے والا زنا کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اگر وہ سچا مومن ہوتا تو کبھی یہ کام نہ کرتا۔ یہ آیت زانیہ عورت کے ساتھ نکاح کی تحریم پر بھی صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے جب تک وہ توبہ نہ کرے۔ اسی طرح زانی مرد سے پاک دامن مومنہ عورت کے نکاح کی تحریم کی دلیل بھی ہے یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے کیونکہ میاں بیوی کا ایک دوسرے کے ساتھ رہنا باہم دگر نہایت قربت کا معاملہ ہے۔ اور اس میں (کہ ایک پاک دامن مومن ہو اور دوسرا زانی) بہت بڑا شر ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کو حرام ٹھہرایا ہے، اس طرح انسان بے غیرت ہو جاتا ہے۔ خاوند کے ساتھ ایسی اولاد کا الحاق ہوتا ہے جو درحقیقت اس کی نہیں اور زانی کیونکہ دوسری عورت سے غلط مراسم کی بنا پر عفت سے محروم رہتا ہے، اس لیے اس کے بعض اقدامات ہی اس سے نکاح کی تحریم کے لیے کافی ہیں۔[1]

42

پاک دامن عورتوں پر تہمت کی سزا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(1) تفسير السعدي، ص: 656.

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

"اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر وہ چار گواہ نہیں لاتے تو تم انھیں اَسّی کوڑے مارو اور ان کی شہادت (گواہی) کبھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ نافرمان ہیں۔ مگر اس کے بعد جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کرلی تو بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے۔"[1]

اس آیت میں پاک دامن عورت پر تہمت لگانے والے کی سزا کا حکم ہے اور «مُحْصِنَةٌ» سے آزاد، بالغہ پاک دامن خاتون مراد ہے۔ اور اگر تہمت مرد پر لگائی جائے، تب بھی تہمت لگانے والے پر حد نافذ ہوگی۔ ہاں، اگر تہمت لگانے والا دلیل سے اپنی بات ثابت کر دیتا ہے تو پھر اس پر حد نہیں لگے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ "پھر وہ چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو انھیں اسی (80) کوڑے لگاؤ۔" پس تہمت لگانے والا اگر اپنی بات کی سچائی پر کوئی دلیل پیش نہ کرسکے تو اس پر تین احکام لاگو ہوں گے۔

① اسے اسی (80) کوڑے لگیں گے۔

② اس کی شہادت کبھی قبول نہیں ہوگی۔

③ وہ فاسق شمار ہوگا اور ساقط الاعتبار ٹھہرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور لوگوں کے ہاں وہ عادل نہیں رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والے کی توبہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ یہ استثنا آخری

(1) النور 24: 5,4.

دوصورتوں کے لیے ہے۔ جہاں تک پہلی صورت، یعنی کوڑے لگانے کا تعلق ہے تو وہ حکم توبہ اور گناہ پر اصرار، ہر دوصورتوں میں بدستور قائم رہے گا اور اسے توبہ کی صورت میں بھی بلا اختلاف کوڑے لگیں گے۔ اور جب توبہ کرلے گا تو اس کی شہادت قبول ہوجائے گی اور اس کا فسق بھی دور ہوجائے گا۔ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ اور دیگر کئی سلف صالحین سے یہ موقف نصاً مروی ہے۔[1]

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ زنا کا الزام لگا کر کسی کی عزت پر حملہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ الزام پاک دامن آزاد عورتوں پر لگایا جائے یا مردوں پر بہرحال یکساں طور پر مذموم ہے۔

تہمت لگانے والا اگر اپنی بات کے ثبوت کے لیے دلیل پیش نہ کرسکے تو اسے سزا دینے کے لیے معتدل انداز میں اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔ کوڑے اس قدر شدت سے نہ مارے جائیں کہ اس کی جان ہی چلی جائے کیونکہ کوڑے لگانے کا مقصد تادیب ہے، جان لینا نہیں ہے۔

بہتان لگانے والے پر حد لگانا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ جس پر بہتان لگایا گیا ہے وہ مومن اور پاک دامن ہو۔ اور اگر کوئی شخص کسی ایسے فرد پر بہتان لگاتا ہے جو پاک دامن نہیں ہے تو اس پر حد نہیں لگے گی، تاہم اسے سزا ضرور ملے گی۔

بہتان لگانے والے کی گواہی قبول نہیں ہوگی، چاہے اس پر حد قذف بھی نافذ ہوجائے، ہاں! اگر وہ توبہ کرلے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالے گا اور اس کی شہادت بھی قبول ہوگی، نیز اس کا فسق بھی زائل ہوجائے گا۔[2]

[1] المصباح المنیر، ص: 927. [2] تفسیر السعدي، ص: 657.

43

میاں بیوی میں لعان کا معاملہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ۙ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○﴾

”اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک کی شہادت اس طرح ہوگی کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے: اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور عورت کی سزا تب ٹلتی ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بلاشبہ وہ (اس کا خاوند) جھوٹوں میں سے ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ (اس کا خاوند) سچوں میں سے ہو تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو۔“[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی پر بہتان

[1] النور 24: 6-9.

لگائے اور دلیل، یعنی چار گواہ پیش نہ کر سکے تو حد قذف سے بچنے کے لیے بطور آسانی لعان کر لے۔ اس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ وہ خلیفہ کے پاس جائے اور دعویٰ دائر کرے کہ اس کی بیوی بدکار ہے۔ حاکم چار گواہوں کے بدلے میں اس سے اللہ کی چار قسمیں لے گا کہ وہ اس پر زنا کا الزام لگانے میں سچا ہے۔ ﴿وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾ ''اور پانچویں بار یہ کہے: اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔'' جب وہ یہ کہہ لے گا تو صرف اس لعان ہی سے وہ جدا ہو جائے گی اور اس پر ہمیشہ حرام رہے گی، نیز وہ اس کا مہر بھی (اگر نہیں دیا تو) ادا کرے گا۔[1]

بیوی پر زنا کا الزام لگانے کی صورت میں شوہر کی چار قسمیں اسے قذف کی حد سے بچا سکتی ہیں کیونکہ عموماً شوہر بیوی پر زنا کا بہتان نہیں لگاتا کیونکہ اس سے اس کی بیوی کے ساتھ ساتھ خود اس کی اپنی شخصیت بھی عیب دار ہوتی ہے، سوائے اس صورت میں کہ وہ سچا ہو۔ شوہر کو اظہار واقعہ کے طور پر اس بات کا حق اس لیے بھی پہنچتا ہے کہ اسے یہ خوف لاحق ہو جاتا ہے، مبادا ایسی اولاد اس سے منسوب ہو جائے جو اس کی نہیں ہے، نیز اس میں بعض دیگر حکمتیں بھی ہیں جو دوسرے احکام میں نہیں ہیں۔[2]

پھر کیا اس پر صرف شوہر کے لعان کرنے سے حد قائم ہو جائے گی یا اسے قید کیا جائے گا؟ اس بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ دلیل جس قول کی تائید کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس پر حد قائم ہوگی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ﴾ ''اور اس عورت کا چار

1 المصباح المنير، ص: 927. 2 تفسير السعدي، ص: 562.

مرتبہ اللہ کی قسمیں کھا کر یہ کہنا کہ وہ (خاوند) جھوٹا ہے، اس سے سزا ٹال دے گا۔'' اس پر زنا کی حد لگے گی اور صرف اسی صورت میں ٹل سکے گی کہ وہ بھی لعان کرے، یعنی چار قسمیں کھا کر کہے کہ میرا شوہر جو الزام لگا رہا ہے وہ غلط اور جھوٹا ہے۔ ﴿وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ ''اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہو تو مجھ (عورت) پر اللہ کا غضب ہو۔'' یہاں غضب کو عورت کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا ہے کہ مرد عموماً سچا ہو اور عاجز آ جائے، تب ہی زنا کا الزام لگانے اور اپنے اہل و عیال کی رسوائی جھیلنے کی جرأت کرتا ہے۔ اور عورت اس کی سچائی سے آگاہ ہوتی ہے، اس لیے پانچویں قسم اس کے لیے اس طرح لاگو کی گئی کہ وہ کہے اگر خاوند سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔ اور مغضوب علیہ وہی ہوتا ہے جو حق بات کو جاننے کے بعد بھی اس سے انکار کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے لطف و کرم کا ذکر فرمایا کہ اس نے ان پر آسانی فرمائی اور مشکلات سے نکلنے کی راہیں بتائیں۔ فرمایا: ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ﴾ ''اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔'' تو تمھارے معاملات درہم برہم ہو جاتے اور تم مشکلات کا شکار ہو جاتے لیکن ﴿وَأَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ﴾ ''اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔'' یعنی اپنے بندوں پر مہربان ہے اگرچہ اس نے پختہ قسمیں لینے کے بعد ہی سزا کو ٹالا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کا کسی بات کا حکم دینا اور کسی بات سے منع کرنا حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔[1]

1 المصباح المنير، ص: 928,927.

آیت کی شان نزول درج ذیل ہے:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ﴾ تو انصار کے رئیس سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے؟ اس پر رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: ''اے انصار کی جماعت! سنتے ہو تمھارا سردار کیا کہتا ہے؟'' انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! انھیں ملامت نہ کیجیے، درحقیقت وہ بہت غیرت مند انسان ہیں۔ اللہ کی قسم! انھوں نے ہمیشہ کنواری عورتوں سے شادی کی ہے۔ اور غیرت کا عالم یہ ہے کہ جس عورت کو وہ طلاق دے دیں، ہم میں کسی کو اس سے نکاح کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! مجھے یقین ہے کہ یہ حق ہے اور اللہ کی طرف سے ہے لیکن مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ اگر میں کسی کمینی عورت کو اس حال میں پاؤں کہ اس کے ساتھ کوئی آدمی ہم بستر ہو تو میرے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ فوری اشتعال اور ردعمل کے بغیر چار گواہوں کی تلاش میں نکل جاؤں۔ اللہ کی قسم! میرے گواہ لانے تک وہ اپنی حاجت پوری کر لے گا۔

راوی کہتے ہیں: تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ہلال بن امیہ آگئے، وہ غزوۂ تبوک میں شرکت سے پیچھے رہ جانے والے ان تین افراد میں سے ایک تھے جن کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ وہ رات کے وقت اپنی زمین سے واپس آئے تو اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو ہم بستر دیکھا۔ یہ ماجرا انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ وہ جوش میں نہ آئے۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور کہا: اے اللہ

کے رسول! میں رات کو گھر آیا تو اپنی اہلیہ کے ساتھ کسی شخص کو ہم بستر دیکھا، میں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ رسول اکرم ﷺ پر یہ بات بہت گراں گزری۔ انصار ہلال بن امیہ کے پاس جمع ہوگئے اور انھوں نے کہا: سعد بن عبادہ کی بات کی وجہ سے ہم آزمائش میں پڑ گئے۔ اب رسول اکرم ﷺ ہلال کو کوڑے لگائیں گے اور ان کی گواہی بھی غیر معتبر ہوجائے گی۔ ہلال رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اللہ میرے لیے کوئی راستہ نکالے گا۔ ہلال نے رسالت مآب ﷺ سے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے لگتا ہے میرا سوال آپ پر گراں گزرا ہے لیکن اللہ کی قسم! میں سچا ہوں، پس اللہ کی قسم! رسول اکرم ﷺ اسے سزا کے لیے کوڑے لگانے کا حکم دینے ہی والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی نازل فرمائی اور جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کے آثار سے پہچان لیتے تھے، یعنی وحی سے فراغت تک آپ ﷺ سے کلام نہیں کرتے تھے، سو یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ﴾ رسول اکرم ﷺ پر وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ہلال! خوش ہوجاؤ، اللہ نے تمھارے لیے آسانی فرما دی ہے اور مشکل سے نکلنے کا راستہ بنا دیا ہے۔ ہلال رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اپنے اللہ عزوجل سے یہی امید تھی۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اس (عورت) کی طرف پیغام بھیجو (کہ وہ آئے)۔''

انھوں نے اس کی طرف پیغام بھیجا تو وہ حاضر ہوئی۔ رسول اکرم ﷺ ان دونوں پر لعان کی آیت پڑھی، انھیں نصیحت کی اور بتایا کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب

کے مقابلے میں نہایت سخت ہے۔ ہلال رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! اللہ گواہ ہے کہ میں الزام لگانے میں سچا ہوں۔ اس (عورت) نے کہا: اس نے جھوٹ بولا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''آپس میں لعان کرو۔'' پس ہلال سے کہا گیا: قسم کھاؤ۔ انھوں نے اللہ کے نام کی چار قسمیں کھا کر کہا کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں۔ جب پانچویں بار قسم کھانے لگے تو ان سے کہا گیا: ہلال اللہ سے ڈرو! دنیا کی سزا آخرت کے عذاب کے مقابلے میں بہت معمولی ہے اور یہ قسم (اگر تم جھوٹے ہوئے تو) عذاب واجب کردے گی۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ مجھے اس پر عذاب نہیں دے گا جیسا کہ اس نے مجھے کوڑے نہیں لگنے دیے۔ انھوں نے پانچویں قسم کھاتے ہوئے کہا: اگر میں جھوٹوں میں سے ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

پھر عورت سے کہا گیا کہ اللہ کے نام کی چار قسمیں کھاؤ کہ وہ جھوٹا ہے۔ جب وہ پانچویں بار قسم اٹھانے لگی تو اسے کہا گیا: اللہ سے ڈرو دنیا کی سزا آخرت کے عذاب کے مقابلے میں معمولی ہے۔ (اور اگر تو جھوٹی ہوئی تو) یہ قسم تجھ پر اللہ کا عذاب واجب کردے گی۔ وہ لمحے بھر کے لیے رکی، اعتراف کا ارادہ کیا اور پھر کہا: اللہ کی قسم! میں اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی، پھر پانچویں بار یہ کہتے ہوئے قسم اٹھائی کہ اگر وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو۔ تب رسول اکرم ﷺ نے انھیں الگ کردیا اور فیصلہ دیا کہ بچے کی نسبت اس کے باپ، یعنی ہلال کی طرف نہیں ہوگی نہ اس عورت پر تہمت لگائی جائے اور نہ اس بچے کو کوئی طعنہ دیا جائے اور جس نے اس خاتون کو یا بچے کو بہتان کا نشانہ بنایا، اس پر حد نافذ ہوگی۔

اسی طرح آپ نے یہ بھی فیصلہ فرمایا کہ وہ عورت بغیر طلاق کے علیحدگی کی وجہ سے نان و نفقہ اور رہائش کی مستحق نہیں ہے اور اسے فوت شدہ خاوند والی عورت کی طرح بھی رہائش اور نفقہ نہیں ملے گا، نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنْ جَاءَتْ بِهِ أُصَيْهِبَ أُرَيْصِحَ أُثَيْبِجَ حَمْشَ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لِهِلَالٍ، وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَوْرَقَ جَعْدًا جُمَالِيًّا خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ فَهُوَ لِلَّذِي رُمِيَتْ بِهِ»، فَجَاءَتْ بِهِ أَوْرَقَ جَعْدًا جُمَالِيًّا خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْلَا الْأَيْمَانُ لَكَانَ لِي وَلَهَا شَأْنٌ»

''اگر اس کا بچہ قدرے سرخ بالوں والا، ہلکے سرینوں والا، ابھری کمر والا اور باریک پنڈلیوں والا ہوا تو یہ ہلال کا ہوگا اور اگر وہ گندم گوں، گھنگھریالے بالوں والا، کھلے اور بڑے اعضاء والا، بھاری پنڈلیوں اور بھاری سرینوں والا ہوا تو یہ اس کا ہوگا جس کی نسبت اس پر الزام لگایا گیا ہے۔'' چنانچہ اس نے بچہ جنا تو وہ گندمی رنگ، گھنگھریالے بالوں والا، کھلے اور بڑے اعضاء والا اور بھاری پنڈلیوں اور سرینوں والا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر قسمیں نہ اٹھائی گئی ہوتیں تو میرا اس کے ساتھ ایک (عجیب) معاملہ ہوتا۔''

عکرمہ رحمہ اللہ نے بتایا: یہ بچہ بعد میں مصر کا امیر بنا تھا مگر باپ کی طرف نسبت کی بجائے ماں کی نسبت سے پکارا جاتا تھا۔[1]

[1] مسند أحمد: 238/1، و سنن أبي داود، الطلاق، باب في اللعان، حديث: 2256.

44

کن لوگوں سے پردہ نہیں ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ﴾

”اورآپ مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اوراپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اوراپنی زینت نہ کھولیں مگر جو(ازخود) اس میں سے ظاہر ہواوراپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں اوراپنا بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں پر یا اپنے باپ دادا پر یا اپنے خاوندوں کے باپ دادا پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں (سوتیلے بیٹوں) پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی (مسلمان) عورتوں پر یا اپنے دائیں ہاتھ کی ملکیت (کنیزوں) پر یا عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے

نوکر چاکر مردوں پر یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی چھپی باتوں سے واقف نہ ہوں اور وہ (عورتیں) اپنے پاؤں (زور زور سے) زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہے، وہ (لوگوں کو) معلوم ہو جائے۔“[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو خاص طور پر مخاطب کیا ہے ورنہ قرآن کے عمومی طریقۂ خطاب میں عورتوں کو مردوں کے ضمن ہی میں مخاطب کیا گیا ہے۔[2]

پس اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو نگاہ پست رکھنے، شرمگاہ کی حفاظت کرنے اور زینت چھپانے کا حکم دیا ہے۔

آیت کی شان نزول

مقاتل بن حیان کے مطابق اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہم تک یہ بات پہنچی ہے، واللّٰہ أعلم، کہ جابر بن عبداللہ انصاری نے بیان کیا کہ اسماء بنت مرشدہ بنو حارثہ قبیلے میں اپنے مکان میں رہتی تھی۔ اس کے پاس خواتین آتی تھیں جو ازار بند کے بغیر ایک ہی چادر میں ہوتی تھیں جس سے ان کے پاؤں کے پازیب ظاہر ہوجاتے اور ان کے سینے اور مینڈھیاں بھی نمایاں ہوجاتیں۔ اسماء نے کہا: یہ کیا بے ہودگی ہے؟ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾ یعنی اللہ نے ان پر خاوندوں کے علاوہ کسی غیر مرد کو دیکھنا حرام ٹھہرایا ہے۔[3] پس اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو زینت کی چیزوں، مثلاً: پازیب اور پاؤں وغیرہ میں مہندی کی نمائش سے روکا ہے۔ اسی طرح

[1] النور 24 :31. [2] فتح القدير: 32/4. [3] الدرالمنثور: 179/6.

ہاتھ میں کنگن، کانوں میں بالیاں اور گلے میں ہار کا مظاہرہ بھی عورت کے لیے جائز نہیں ہے اور اجنبی شخص، یعنی غیر محرم کو اس کی طرف دیکھنا منع ہے۔[1]

عورتوں کے لیے یہی حکم ہے، سوائے اس کے کہ جسم کا جو حصہ عادتاً ظاہر ہو اور کمال ستر کے لیے انھیں اپنے گریبانوں پر دوپٹہ ڈالے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اس حکم سے ثابت ہوتا ہے کہ پورے جسم کی زینت پوشیدہ رکھنی ضروری ہے اور اسے ظاہر کرنا حرام ہے۔

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: اللہ تعالیٰ پہلے پہل ہجرت کرنے والی عورتوں پر رحم فرمائے، جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل فرمایا: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ تو انھوں نے اپنی موٹی چادروں کو پھاڑ کر اس کی اوڑھنیاں بنالیں۔[2]

پھر زینت ظاہر کرنے کی ممانعت کا اعادہ کیا تاکہ اس سے عورت کے ان محرموں کو مستثنیٰ کیا جا سکے جن کے سامنے اظہار زینت جائز ہے۔ ایسے رشتہ دار یہ ہیں: شوہر، باپ دادا اوپر تک، حقیقی بیٹے اور خاوند کے بیٹے نیچے تک، حقیقی، علاتی اور اخیافی بھائی یا ان کے بیٹے یا بھانجے۔[3] اسی طرح ان کے لیے مسلمان عورتوں کے سامنے بھی زینت کا اظہار جائز ہے لیکن ذمی عورتوں کے سامنے جائز نہیں تاکہ وہ اپنے خاوندوں کے پاس جا کر بیان نہ کریں اگرچہ تمام عورتوں کے سامنے زینت کے اظہار میں حرج ہے لیکن ذمیوں کی عورتوں سے زیادہ احتیاط کرنے کی تاکید اس لیے کی گئی ہے کہ وہ بلا کراہت ان کے اوصاف اپنے خاوندوں سے بیان کریں گی۔ جہاں تک

[1] فتح القدير: 32/4. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾، حديث: 4758. [3] تفسير السعدي، ص: 663,662.

مسلمان عورتوں کا تعلق ہے تو وہ چونکہ اس کی حرمت سے واقف ہوتی ہیں، اس لیے وہ کسی عورت کی صفات اپنے شوہروں کے سامنے بیان کرنے سے گریز کرتی ہیں۔[1]

غلام کے لیے، بشرطیکہ وہ کامل معنوں میں اس عورت کا غلام ہو، اپنی سیدہ کو دیکھنا جائز ہے۔ اور یہ صورت اسی وقت تک ہے جب تک وہ اس کی مالکہ ہے۔ اگر غلام کی ملکیت پوری یا جزوی طور پر ختم ہو جائے تو اس غلام کے لیے اس عورت کو دیکھنا جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح وہ مرد جو تمھارے زیردست ہیں اور تمھارے ساتھ ان کا سابقہ پڑتا ہے اور وہ کسی قسم کی شہوانی اغراض نہ رکھتے ہوں، مثلاً: ناقص العقل اَبلہ قسم کے لوگ جو شہوانی شعور نہیں رکھتے اور وہ لوگ جن میں عورتوں کے پاس جانے کی خواہش ہی معدوم ہو، ان کی شرمگاہ میں شہوت ہو نہ ان کے دل میں طلب ہو تو ایسے شخص کے لیے اظہارِ زینت جائز ہے۔

اسی طرح وہ بچے جو اس قسم کی تمیز نہیں رکھتے، ان کے سامنے بھی زینت ظاہر کرنا جائز ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف ہیں نہ اس کا علم رکھتے ہیں اور نہ ہی ان میں شہوت پائی جاتی ہے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ایسے بچوں سے پردہ کرنا فرض ہے جو سن تمیز کو پہنچ چکے ہوں کیونکہ وہ عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف ہو جاتے ہیں۔[2]

پھر انھیں زمین پر اس طرح پاؤں مارنے سے منع کیا گیا جس سے ان کے زیورات کی جھنکار سنائی دے اور جس کے سبب ان کی زینت ظاہر ہو۔ اس آیت

[1] المصباح المنير، ص: 939. [2] تفسير السعدي، ص: 663.

کریمہ اور اس طرح کی دیگر آیات سے ''سد ذرائع'' کے فقہی قاعدے کا استنباط کیا جاتا ہے، یعنی کوئی امر اگرچہ فی نفسہ مباح ہے مگر اس پر عمل کرنے سے کسی حرام امر کے ارتکاب کا خدشہ یا امکان پیدا ہوتا ہے تو سد ذرائع کے طور پر یہ عمل بھی ممنوع ہوجائے گا۔ زمین پر پاؤں مارنا بجائے خود مباح ہے لیکن چونکہ یہ اظہار زینت کا ایک ذریعہ ہے، اس لیے پاؤں مار کر چلنے سے روک دیا گیا۔[1]

45

غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے نکاح کرنے کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾

''اور تم اپنے بے نکاحوں کے نکاح کردو اور (ان کے بھی) جو تمھارے غلام اور لونڈیاں نیک ہوں اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انھیں غنی کردے گا۔''[2]

اس آیت میں غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی شادی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ﴿أَيَامٰى﴾ أَيِّمٌ کی جمع ہے۔ ہر وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو اور ہر وہ مرد جس کی بیوی نہ ہو اسے أَيِّمٌ کہتے ہیں، چاہے شادی کے بعد ان کی علیحدگی ہوجائے یا انھوں

[1] تفسير السعدي، ص: 663. [2] النور 24 :32.

نے شادی ہی نہ کی ہو۔[1]

اللہ تعالیٰ نے سرپرستوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان مجرد عورتوں اور مردوں کا نکاح کریں جو ان کی سرپرستی میں ہیں۔ أَيَامٰى سے مراد وہ مرد اور عورتیں ہیں جن کی بیویاں اور شوہر نہ ہوں، یعنی رنڈوے اور کنوارے مرد و زن۔ قریبی رشتہ داروں اور یتیموں کے سرپرستوں پر واجب ہے کہ وہ ایسے مرد و زن کا نکاح کریں جو نکاح میں ان کے محتاج ہیں، یعنی جن کا نفقہ ان پر واجب ہے۔ جب وہ ان لوگوں کا نکاح کرنے پر مامور ہیں جو ان کے زیردست ہیں تو اپنے نکاح کا حکم تو بدرجۂ اولیٰ مؤکد ہے۔[2]

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ﴾ میں ''اَلصَّلَاحُ'' سے مراد ایمان اور نکاح کے حقوق ادا کرنے کی اہلیت ہے۔ اور آزاد مرد و زن میں ''اَلصَّلَاحُ'' کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ان میں غلاموں کے برعکس عموماً ''صَلَاح'' پائی جاتی ہے۔ اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ غلام اپنا نکاح از خود نہیں کرسکتا، اس کا نکاح اور سرپرستی اس کا مالک ہی کرے گا۔[3]

اسی طرح ﴿الصّٰلِحِيْنَ﴾ میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد دین کی اصلاح اور درستی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صالح غلام اور لونڈی جو فاجر اور بدکار نہیں ہیں، ان کے نکاح کا ان کے مالک کو حکم دیا گیا ہے۔ یہ ان کی صالحیت کی جزا اور اس کی ترغیب ہے، نیز زناکار غلام اور لونڈی کا نکاح کرنے سے روکا گیا ہے، یہ اس حکم کی تائید ہے جس کا ذکر سورت کے آغاز میں کیا گیا ہے کہ زانی اور زانیہ جب تک توبہ نہ کریں، ان کا نکاح حرام ہے۔ اور آزاد مرد و زن کی بجائے غلاموں کے نکاح کے لیے صالحیت

[1] المصباح المنير، ص: 940. [2] تفسير السعدي، ص: 663. [3] حسن الأسوة، ص: 119.

کی تخصیص اس لیے ہے کہ عادتاً غلاموں میں فسق و فجور زیادہ ہوتا ہے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ”اگر وہ تنگ دست ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔“ یعنی نکاح کرنے والے تنگ دست ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں بے نیاز کر دے گا، لہٰذا تمھیں یہ وہم نکاح کرنے سے نہ روکے کہ جب تم نکاح کر لو گے تو عائلی بوجھ کی وجہ سے محتاج ہو جاؤ گے۔[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے (مذکورہ آیات میں) شادی کی رغبت دلائی ہے اور آزاد و غلام ہر ایک کو نکاح کا حکم دیا ہے اور اس پر انھیں غنی، یعنی بے نیاز کر دینے کا وعدہ کیا ہے۔“[3] سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ”اللہ تعالیٰ کی طرف سے نکاح کے حکم میں اس کی اطاعت کرو تو اس نے تمھیں غنی کرنے کا جو وعدہ کیا ہے، وہ پورا فرما دے گا۔“[4]

46

لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرنے کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ

[1] تفسير السعدي، ص : 663. [2] تفسير السعدي، ص : 663. [3] المصباح المنير، ص : 941. [4] الدر المنثور : 188/6.

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

”اور تمھاری لونڈیاں اگر پاکدامن رہنا چاہیں تو تم دنیاوی زندگی کا سامان تلاش کرنے کی خاطر انھیں بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو کوئی انھیں مجبور کرے تو بے شک ان کے مجبور کیے جانے کے بعد اللہ (ان کے لیے) غفور رحیم ہے۔“[1]

اس آیت کریمہ میں لونڈیوں کو زنا پر مجبور کرنے کی ممانعت ہے، یعنی لونڈیاں پاکدامنی کی راہ چلنا اور نکاح کے ذریعے سے اپنے آپ کو بدکاری سے محفوظ رکھنا چاہیں تو ان کے اس ارادے کی مخالفت یا مزاحمت نہیں ہونی چاہیے۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ لونڈیوں سے بدکاری کراتے اور زنا سے حاصل ہونے والی کمائی کھاتے تھے۔ اسلام نے مومنوں کو ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ اکثر مفسرین کا یہ قول ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی ابن سلول کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی کئی لونڈیاں تھیں، وہ انھیں بدکاری پر مجبور کرتا تھا تاکہ ان کی کمائی کھائے اور ان کے ہاں جو اولاد ہو، ان سے بھی خدمت لے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو لونڈیوں کو زنا پر مجبور کرنے اور ان کے زنا کی اجرت کھانے سے منع کر دیا۔ اس لیے کہ دنیا کا یہ مال تو ختم ہی ہو جانا ہے، پس تمھارے لیے ہرگز مناسب نہیں کہ تمھاری لونڈیاں تو تم سے بہتر اور پاک باز ہوں اور تم صرف دنیا کے فانی مال و متاع کی خاطر یہ گھناؤنا دھندا کرو۔ دنیا کا مال نہایت قلیل ہے، وہ ملتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے۔ تمھاری کمائی تمھاری پاکیزگی، نظافت اور مروت ہے، آخرت کے ثواب و عقاب سے قطع نظر، یہ اس تھوڑی سی متاع دنیا کمانے سے کہیں

[1] النور 24 :33. [2] المصباح المنير، ص :941.

بہتر ہے جو تمھیں انتہائی گراوٹ اور گندگی کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔[1]

صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے حجام کی کمائی، زانیہ کی اجرت اور کاہن کی شیرینی سے منع کیا ہے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے بدکاری پر مجبور کرنے والوں کو توبہ کا حکم دیا ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مجبور کرنے کی سزا مجبور کرنے والوں کے لیے ہے نہ کہ مجبور کی گئی لونڈیوں پر۔ اگر تم ایسا کرو گے، یعنی انھیں مجبور کرو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ انھیں معاف کرنے والا ہے اور ان کا گناہ انھیں مجبور کرنے والوں پر ہوگا۔[3]

جب مجبور کرنے والا اپنے گناہ سے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا اور اس پر اسی طرح رحم کرے گا جس طرح تائب نے اپنے نفس کو عذاب سے بچا کر اپنے آپ پر رحم کیا اور جس طرح اس نے اپنی لونڈی کو ایسے فعلِ بد پر جو اس کے لیے ضرر رساں تھا، مجبور نہ کرکے اس پر رحم کیا۔[4]

47

تین اوقات میں آتے وقت اجازت طلب کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] تفسير السعدي، ص : 664. [2] صحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم ثمن الكلب وحلوان الكاهن......، حديث: 1567. [3] تفسير السعدي، ص : 664، و المصباح المنير، ص : 942. [4] تفسير السعدي، ص : 664

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّافُونَ عَلَيْكُم ﴾

''اے ایمان والو! تمھارے غلاموں، لونڈیوں اور (ان لڑکوں اور لڑکیوں کو) جو تم میں سے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں، (انھیں) چاہیے کہ تم سے تین بار اجازت مانگیں (پھر گھر میں داخل ہوں)، نماز فجر سے پہلے اور جب تم دوپہر کو کپڑے اتارتے ہو اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین وقت تمھارے لیے خلوت اور پردے کے ہیں، ان (اوقات) کے بعد (بلا اجازت آنے سے) تم پر اور ان پر کوئی گناہ نہیں، تم ایک دوسرے کے پاس بکثرت آیا جایا ہی کرتے ہو۔''[1]

یہ آیت کریمہ عزیز و اقارب کے ایک دوسرے کے ہاں جاتے وقت اجازت طلب کرنے کے حکم پر مشتمل ہے اور سورت کے شروع میں جس اجازت کا ذکر ہے وہ اجنبیوں کی ایک دوسرے سے اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ ان کے غلام اور نابالغ بچے تین اوقات میں اجازت طلب کرکے ان کے پاس آیا کریں۔

① صبح کی نماز سے پہلے کیونکہ لوگ اس وقت اپنے بستروں میں آرام کررہے ہوتے ہیں۔

② ﴿ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ ﴾ ''جس وقت دوپہر کو تم اپنے کپڑے

[1] النور 24 : 58.

اتار دیتے ہو۔'' یعنی قیلولہ کے وقت کیونکہ اس وقت انسان معمول کے کپڑے اتار کر بیوی سے ہم بستر ہوتا ہے۔ ﴿وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ﴾ ''اور بعد نماز عشاء۔'' کیونکہ وہ سونے کا وقت ہوتا ہے، لہٰذا غلاموں اور بچوں کو بھی حکم دیا جائے کہ وہ ان مذکورہ اوقات میں عام لوگوں کی طرح اجازت لے کر آئیں کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ انسان اپنی بیوی سے ہم بستر ہو یا کسی ایسی حالت میں ہو جس میں وہ کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا، اسی لیے فرمایا: ﴿ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ﴾ یعنی جب ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں تم انھیں بغیر اجازت داخل ہونے دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر ان تین اوقات کے علاوہ کوئی چیز انھیں نظر آجاتی ہے تو وہ گناہ گار نہیں ہیں کیونکہ انھیں بغیر اجازت داخل ہونے کی اجازت ہے، اس لیے بھی کہ تمھارے کام سرانجام دینے کے لیے ان کا تمھارے پاس آنا جانا رہتا ہے اور ہر وقت آنے جانے والوں کے لیے جو رخصت ہے، وہ دوسروں کے لیے نہیں ہے۔[1]

یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں ہوئی۔ اور لوگوں نے اس پر عمل کرنے کو زیادہ اہمیت نہ دی تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے لوگوں پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا: ''اجازت طلب کرنے والی اس آیت پر عملی طور پر اکثر لوگ ایمان نہیں لائے، میں تو اپنی لونڈی کو بھی حکم دیتا ہوں کہ اجازت لے کر آیا کرے۔''[2]

① المصباح المنير، ص: 952. ② سنن أبي داود، الأدب، باب في الاستئذان في العورات الثلاث، حديث: 5191.

48

پردہ اور بوڑھی خواتین

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ﴾

''اور گھروں میں بیٹھ رہنے والی (عمر رسیدہ) عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (پردہ داری کے) کپڑے اتار دیں جبکہ وہ (اپنی) زیب و زینت ظاہر کرنے والی نہ ہوں اور ان کا اس سے بھی بچنا ان کے لیے بہت بہتر ہے۔''[1]

آیت میں مذکور ''قواعد'' سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن کا حیض منقطع ہو گیا ہو یا وہ ہم بستری کے قابل نہ رہی ہوں یا بڑھاپے کی وجہ سے اولاد سے ناامید ہو چکی ہوں، یعنی نہ وہ اولاد کے قابل ہوں، نہ انھیں حیض آتا ہو۔''[2]

پس وہ نکاح کی خواہش مند ہوں نہ کوئی مرد ان کے ساتھ نکاح کی رغبت رکھتا ہو۔ ان کی یہ کیفیت ان کے بڑھاپے کی وجہ سے ہو کہ کسی کو اس میں رغبت ہی نہ ہو اور وہ خود بھی ایسی رغبت سے خالی ہوں یا شکل صورت کے لحاظ سے اس قدر گئی گزری ہوں

① النور 24: 60. ② حسن الأسوة، ص: 122.

کہ کسی کو ان کی طرف میلان بھی نہ ہو۔[1] رہی وہ عورت جس میں حسن و جمال کی کوئی جھلک باقی ہو اور اس میں رغبت کی صلاحیت ہو تو وہ اس آیت کے حکم میں داخل نہیں ہے۔[2]

پس اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورتوں کے لیے ظاہری لباس، مثلاً: اوڑھنی، چادر اور سر پوش (جو دوپٹے کے اوپر ہوتا ہے) اتارنے کی اجازت دی ہے کیونکہ کوئی ان کی طرف توجہ نہیں دیتا اور مردوں کو ایسی بوڑھی عورتوں میں کوئی رغبت بھی نہیں ہوتی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے وہ امور جائز قرار دے دیے جو دوسری عورتوں کے لیے جائز نہیں رکھے۔[3]

پس ان کے لیے اپنے چہرے بے نقاب رکھنا جائز ہے کیونکہ اب انھیں کسی سے یا ان سے کسی کو کسی فتنے کا ڈر نہیں۔ چادر وغیرہ اتارنے کی اجازت سے یہ وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ اس اجازت کا استعمال ہر چیز کے لیے ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس اشکال کو اپنے اس ارشاد کے ذریعے سے دور کردیا: ﴿غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ﴾ ''وہ اپنی زینت کو ظاہر کرنے والی نہ ہوں۔'' یعنی ظاہری لباس کو خوبصورت اور مزین کرکے لوگوں کو نہ دکھائیں، نہ زمین پر پاؤں مار کر چلیں کہ ان کی زینت ظاہر ہو کیونکہ عورت کی مجرد زینت، چاہے وہ پردے ہی میں ہو اور کشش و رغبت سے یکسر خالی ہو، بہرحال فتنے کا باعث ہے اور دیکھنے والے کو گناہ میں مبتلا کرسکتی ہے۔[4]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ﴾ ''اور اگر وہ احتیاط

[1] تفسير السعدي، ص: 672. [2] حسن الأسوة، ص: 122. [3] حسن الأسوة، ص: 122.
[4] تفسير السعدي، ص: 672.

کریں تو ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔'' یعنی چادر یا دوپٹہ بھی نہ اتاریں اور پاک دامنی اختیار کرتے ہوئے محتاط ہی رہیں۔ ایسا اسی صورت میں ممکن ہے کہ ان اسباب کو بروئے کار لائیں جو عفت کے متقاضی ہیں۔ جس نے شادی کی اور ان امور، یعنی ظاہری لباس وغیرہ اتارنے کو ترک کردیا جن کی وجہ سے فتنے میں پڑنے کا خوف ہو تو یہ ان کے لیے ظاہری لباس اتارنے سے بہتر ہے۔[1]

آیت کے اختتام میں فرمایا: ﴿سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۝﴾ یعنی ہمارا مقدس پروردگار تمام آوازوں کو سنتا ہے، نیتوں اور مقاصد کو جانتا ہے، اس لیے ان عورتوں کو ہر بری بات اور برے ارادے سے بچنا چاہیے اور انھیں یقین ہونا چاہیے کہ اللہ اس کی جزا دے گا۔[2]

49

قریبی رشتہ داروں کے گھر سے کھانا کھانے کی اجازت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

[1] حسن الأسوة، ص: 122، والمصباح المنير، ص: 953. [2] تفسير السعدي، ص: 672.

عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْمَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ﴾

”اندھے پر کوئی حرج نہیں اور نہ لنگڑے ہی پر حرج ہے اور نہ مریض پر کوئی حرج ہے اور نہ خود تم پر (کوئی حرج ہے) کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان (گھروں) سے جن کی چابیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوستوں کے گھروں سے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ تم مل کر کھاؤ یا الگ الگ، پھر جب تم گھروں میں داخل ہوتو اپنے لوگوں کو سلام کہو۔“ [1]

اس آیت کی شان نزول بیان کرتے ہوئے ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت لوگ ان مذکورہ لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا ان سے نفرت کے باعث اور اپنی تکریم کی خاطر ناپسند کرتے تھے۔ وہ ایسا اس لیے بھی کرتے تھے، مبادا وہ ان سے کہیں زیادہ کھالیں اور ظلم ہوجائے۔ [2]

مطلب یہ ہے کہ وہ نابینے کے ساتھ کھانا اس لیے ناپسند کرتے تھے کہ اسے کھانا نظر نہیں آتا اور وہ کھانے کی انواع واقسام نہیں دیکھ سکتا، ممکن ہے اس کی پسندیدہ چیز، جسے وہ دیکھ نہیں سکتا، کوئی اور کھالے اور اس کی حق تلفی ہو۔ اور لنگڑے کے ساتھ اس

[1] النور 24 :61. [2] المصباح المنير، ص: 953، وتفسير الطبري : 219/19.

لیے نہیں کھاتے تھے کہ وہ صحیح طور پر بیٹھ نہیں سکتا۔ ممکن ہے اس کا ساتھی اس کے مناسب طور پر نہ بیٹھ سکنے کی وجہ سے زیادہ کھالے اور وہ بھوکا رہے، مریض کے ساتھ اس لیے نہیں کھاتے تھے کہ وہ صحت مند آدمی کی طرح کھا نہیں سکتا، لہٰذا انھوں نے ظلم سے بچنے کے لیے ان کے ساتھ کھانا ناگوارا کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر انھیں اس کی رخصت دے دی۔ [1]

رشتے داروں کے گھروں سے کھانے میں جو حرج تھا، اللہ تعالیٰ نے وہ حرج ختم کردیا۔ اس کا آغاز بیٹوں کے گھروں سے کیا اور اس کی انتہا دوستوں کے گھروں پر کی۔

اور علماء نے ﴿اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی اولاد کے گھروں سے تم کھا سکتے ہو۔ اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ»

”تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔“ [2]

اس سے مراد خود انسان کا اپنا گھر نہیں ہے کیونکہ یہ تو تحصیل حاصل ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا کلام منزہ ہے، حرج کی نفی ان جگہوں کے بارے میں ہے جہاں گناہ کا گمان یا وہم ہوسکتا ہے۔ رہا انسان کا اپنا گھر تو وہاں گناہ اور حرج کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں۔ [3]

[1] الدر المنثور: 223/6، والمصباح المنير، ص: 953. [2] مسند أحمد: 204/2. [3] تفسير السعدي، ص: 672.

پھر اس سے متصل ماں باپ، بھائیوں، بہنوں، چچوں، پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں کا ذکر فرمایا۔ اسی طرح پھر ان گھروں کا ذکر فرمایا جن میں انسان کو تصرف کا اختیار دیا گیا ہو، مثلاً: کوئی کسی کو اپنے گھر میں اپنا وکیل یا ولی بناتا ہے تو اس کے لیے بھی اس گھر سے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

جو لوگ رشتے داروں کے ایک دوسرے کے ذمے نفقے کو واجب قرار دیتے ہیں، انھوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔[1]

اسی طرح یہ آیت دوستوں کے گھروں سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے جب کہ وہ ناگواری محسوس نہ کریں اور اس بات کا بھی یقین ہو کہ یہ ان پر بوجھ نہیں ہوگا اور اس کی حکمت سیاق کلام سے واضح ہے۔ ان مذکورہ نوعیت کے گھروں میں معروف عادت کے مطابق، قریبی رشتے داری، بے تکلفی اور دوستی کی وجہ سے کھاپی لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا، البتہ اگر ان مذکورہ بالا گھروں سے کھاپی لینے میں ناگواری اور بخل معلوم ہوجائے تو حکمت اور مقاصد سامنے رکھتے ہوئے کھانا پینا جائز ہے نہ حرج ہی رفع ہوتا ہے۔[2]

نیز گھر کے تمام افراد کے اکٹھا کھانے یا علیحدہ علیحدہ کھانے میں کوئی حرج نہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ یاد رہے کہ نفی حرج کی ہے، فضیلت کی نہیں ہے۔ اس لیے اکٹھے مل کر کھانا افضل ہے۔[3]

پھر اللہ تعالیٰ نے کسی بھی گھر میں داخل ہونے کے آداب کا تذکرہ کرتے ہوئے سلام کہنے کا حکم دیا ہے۔ گھر آباد ہو یا غیر آباد سلام بہرحال کہنا چاہیے، اس لیے کہ

(1) المصباح المنير، ص: 953. (2) تفسير السعدي، ص: 673. (3) تفسير السعدي، ص: 673.

مسلمان باہمی مودت و رحمت اور شفقت میں جسد واحد کی طرح ہیں، لہٰذا تمام گھروں میں داخل ہوتے وقت بلا امتیاز سلام کہنا مشروع ہے۔ پھر اس سلام کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝﴾

”(یہ) اللہ کی طرف سے بابرکت (اور) پاکیزہ تحفہ ہے۔ اللہ اسی طرح تمھارے لیے آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔“[1]

50

میاں بیوی کا اولاد اور ایک دوسرے کے لیے دعا کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝﴾

”اور وہ جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں متقیوں کا امام بنا۔“[2]

یہ آیت عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرنے والی آیات کے ضمن میں وارد ہوئی ہے۔ پس ان کی صفات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کی

(1) النور 24 :61. (2) الفرقان 25 :74.

پشت سے ایسی اولاد پیدا فرما جو تیری فرماں بردار اور تجھ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کرنے والی ہو۔[1]

پس وہ کہتے ہیں: اے باری تعالیٰ ایسے ساتھی، دوست احباب، بیویاں اور اولاد عطا کرنا جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں، یعنی ہمارے لیے سکون کا باعث ہوں، موجب عذاب نہ ہوں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے دوست احباب، بیویاں اور اولاد عطا کرنا جو اطاعت اور فرماں برداری کے دائرے میں رہ کر کام کریں اور انھیں دیکھ کر دنیا و آخرت میں ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔''[2]

حقیقت یہ ہے کہ مومن کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی چیز اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں ہوسکتی کہ اس کے بیوی بچے اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہوں۔ وہ آرزومند ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ جنت میں چلا جائے تاکہ اس کا سرور دوآتشہ ہوجائے اور نیک بیوی بچوں کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔[3]

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب ہم اللہ کے نیک بندوں کے احوال و اوصاف کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلند ہمت اور عالی مرتبت لوگ ہیں، اس لیے ان کی آنکھیں تب ہی ٹھنڈی ہوں گی جب وہ انھیں اپنے رب کا مطیع و فرماں بردار اور نیک اعمال کرتے ہوئے دیکھیں گے۔ گویا ان کی یہ دعا جو وہ اپنی بیویوں اور اولاد کی اصلاح کے لیے کرتے ہیں، درحقیقت خود ان کے اپنے ہی حق میں ہے کیونکہ اس دعا کا فائدہ خود انھی کو پہنچتا ہے، اس لیے انھوں نے اسے اپنے لیے ہبہ

[1] المصباح المنير، ص: 972. [2] تفسير الطبري: 424/9. [3] حسن الأسوة، ص: 125.

قرار دیتے ہوئے یوں عرض کیا: ﴿هَبْ لَنَا﴾ ''ہمیں عطا فرما۔'' ان کی اس دعا کا فائدہ عام مسلمانوں کو بھی ہوتا ہے کیونکہ مذکورہ لوگوں کی اصلاح سے ان بہت سے لوگوں کی اصلاح بھی ہوگی جو ان سے متعلق ہیں اور وہ ان سے مستفید ہوں گے۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ ''اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔'' کا مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں بلند درجہ عطا فرما، یعنی صدیقین اور اپنے کامل صالحین کے درجے تک پہنچا دے اور وہ ہے امامت دینی کا درجہ، یعنی وہ اپنے اقوال و افعال میں اہل تقویٰ کے لیے نمونہ بن جائیں۔ لوگ ان کے افعال کی پیروی کریں اور ان کے اعمال پر مطمئن ہوں۔ اہل خیر ان کے پیچھے چلیں اور ان سے راہنمائی حاصل کریں۔[1]

یہ دعا انھوں نے اس لیے کی کہ وہ اس امر کے متمنی تھے کہ ان کی عبادت ان کی اولاد اور ذریت کی عبادت کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور ان کی رہبری اور ہدایت سے دوسرے لوگ بھی مستفید ہوں کیونکہ ایسا ہونا زیادہ باعث ثواب اور انجام کار کے لحاظ سے نہایت فیض رساں ہے۔[2]

جیسا کہ صحیح مسلم میں رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»

''جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ اس سے منقطع ہوجاتا ہے، سوائے تین اعمال کے: صدقہ جاریہ یا علم جس سے نفع حاصل کیا جاتا رہے یا

[1] تفسير السعدي، ص: 688. [2] المصباح المنير، ص: 973.

نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے (یہ امور خیر جاری رہتے ہیں)۔''[1]

51

میاں بیوی کی باہمی مودت و رحمت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾

''اور (یہ بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمھارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔''[2]

درج بالا آیت سے وہ متعدد آیات شروع ہوتی ہیں جو الوہیت میں اللہ تعالیٰ کے یکتا ہونے، اس کی عظمت کے کمال، اس کی مشیت کے نفوذ، اس کی قوت و اقتدار، اس کی صنعت کے جمال اور اس کی بے پایاں رحمت واحسان پر دلالت کرتی ہیں۔[3]

یہ کہ اس نے انھی کی جنس بشریت سے ان کے لیے عورتیں پیدا کیں۔ وہ ان کی بیویاں ہیں جو ان کے مناسب ہیں اور وہ (مرد) ان کے مناسب ہیں اور وہ ایک دوسرے

[1] صحيح مسلم، الوصية، باب مايلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حديث: 1631.

[2] الروم 30: 21. [3] تفسير السعدي، ص: 750.

سے مشابہت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حواء علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا اور اس کے بعد عورتوں کی پیدائش کا سلسلہ مردوں کی پشتوں اور عورتوں کی چھاتیوں سے (نکلنے والے پانی سے) شروع ہوا۔[1] اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لیے کیا تاکہ وہ ایک دوسرے سے سکون حاصل کر سکیں اور ان کا ایک دوسرے کی طرف میلان اور باہمی مودت ہو۔ اگر تمام بنی آدم مرد ہوتے اور عورتیں کسی دوسری جنس سے ہوتیں تو ان میں اس قدر باہمی مودت اور رحمت نہ ہوتی۔ یہ اس مالک کا کمال احسان اور رحمت ہے کہ اس نے ان کی بیویاں انھی کی جنس سے پیدا کیں اور ان میں باہم مودت و رحمت پیدا فرمائی۔[2]

یعنی عصمت نکاح کے سبب ان میں باہمی مودت ومحبت پیدا ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ ایک دوسرے پر شفقت کرتے ہیں جب کہ نکاح سے پہلے ان میں باہمی مودت و محبت تو کجا کوئی جان پہچان بھی نہیں ہوتی۔[3]

نکاح و ازدواج پر مرتب ہونے والے اسباب کے ذریعے سے جو محبت و مودت کے موجب ہیں، بیوی سے لذت، تمتع، وجود اولاد کی منفعت، اولاد کی تربیت اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ عموماً میاں بیوی میں باہم پائی جانے والی محبت ومودت کی مثال دیگر دو افراد میں نہیں پائی جاتی۔[4]

اس سے واضح ہوا کہ میاں بیوی کی باہمی محبت یک طرفہ نہیں ہوتی بلکہ یہ دونوں اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے کے لیے مودت و محبت کے جذبات رکھتے ہیں۔ اس طرح

[1] حسن الأسوة، ص: 136. [2] المصباح المنير، ص: 1052. [3] فتح القدير: 275/4.

[4] تفسير السعدي، ص: 750.

ان میں ہم آہنگی اور انس وسکون پیدا ہوجاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے مانوس ہوجاتے ہیں اور ایک دوسرے سے سکون حاصل کرتے ہیں۔ مرد عورت کو محبت اور رحمت کی وجہ سے اپنے ہاں رکھتا ہے تاکہ اس سے اس کی اولاد ہو۔ اسی طرح وہ عورت اس سے الفت ومحبت کی وجہ سے اس کی عصمت نکاح میں رہتی ہے۔ وہ نان ونفقہ اور رہائش وغیرہ میں بھی مرد کی محتاج ہوتی ہے، اسی لیے اس کے نکاح میں رہتی ہے۔

آیت کے اختتام میں فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیاں ہیں جو اس ذات پاک کی حیرت انگیز قدرت اور دلکش کارکردگی پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں صرف صاحبانِ عقل وبصیرت اور دانشور حضرات ہی غور وفکر کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

''بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔''[1]

52

ماؤں سے حسن سلوک کی تاکید

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ﴾

[1] الروم 30:21.

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق (حسن سلوک کا) حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اسے (پیٹ میں) کمزوری پر کمزوری کے باوجود اٹھائے رکھا اور اس کا دودھ دو سال میں چھڑانا ہوتا ہے، (اور) یہ کہ تو میرا اور اپنے والدین کا شکر کر (بالآخر) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے، جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی اطاعت نہ کر اور دنیا میں معروف طریقے سے ان دونوں سے اچھا سلوک کر۔''[1]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی کرنے کی تاکید کی ہے، اس لیے کہ والدین کا انسان پر بہت بڑا حق ہے۔ وہی انسان کے وجود کا باعث بنے، پھر اس کی تربیت اور نشوونما کی، اس کا ہر ممکن خیال رکھا اور پوری توجہ اور انہماک سے اسے پروان چڑھایا۔ اللہ تعالیٰ انسان سے عنقریب اس تاکید کے متعلق سوال کرے گا کہ اس نے اس پر عمل کیا یا انحراف برتا۔ اگر اس نے اس کی حفاظت کی ہوگی تو اللہ نہ ختم ہونے والا بدلہ عطا کرے گا اور اگر اس وصیت اور تاکید سے انحراف کیا ہوگا اور اسے ضائع کردیا ہوگا تو وہ اسے سخت سزا دے گا۔

یہ وصیت ان کے ساتھ نرم ولطیف قول اور فعل جمیل کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید پر مبنی ہے۔ اس میں ان کے سامنے تواضع وانکسار، ان کے اکرام واجلال، ان کی ذمے داریاں اٹھانے اور ان کے ساتھ قولی یا عملی کسی بھی اعتبار سے ناشائستہ سلوک سے اجتناب کی تاکید بھی ہے۔[2]

[1] لقمٰن 31: 15,14. [2] تفسير السعدي، ص: 761.

پھر اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر فرمایا جو والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا موجب و متقاضی ہے، ارشاد فرمایا: ﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ﴾ ''اس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف برداشت کرکے اسے (پیٹ میں) اٹھائے رکھا۔'' یعنی نہایت مشقت و جانکاہی سے اس کا بوجھ سنبھالے رکھا، وہ استقرار نطفہ ہی سے مشقتوں کا سامنا کرتی رہتی ہے، مثلاً: بعض چیزوں کے کھانے کو جی چاہنا (جبکہ بچے کی خاطر وہ نہیں کھاتی)، بیماری، کمزوری، حمل کا بوجھ، حالت میں تغیر اور پھر وضع حمل کے وقت شدید تکلیف کا مقابلہ کرنا۔

پھر فرمایا: ﴿وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ ''اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑانا۔'' یعنی شیر خوار بچہ اپنی ماں کی پرورش، کفالت اور رضاعت کا محتاج ہوتا ہے۔ کیا اس ہستی کے ساتھ حسن سلوک نہ کیا جائے جو وفورِ محبت سے اپنے بچے کی خاطر یہ سختیاں برداشت کرتی ہے؟ کیا اس معظم ہستی کے بیٹے کو اس سے حسن سلوک کی تاکید اور وصیت نہ کی جائے؟[1]

اللہ تعالیٰ نے والدہ کا اولاد کی تربیت کرنے، ان کے لیے مشقت برداشت کرنے اور شب و روز ان کی خاطر جاگ کر تھکاوٹ برداشت کرنے کا ذکر اس لیے کیا ہے تاکہ اولاد کو اس کے یہ احسانات یاد دلائے جو اس نے ان کے ساتھ کیے ہیں۔[2]

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾

''اور کہہ دیجیے: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے

1 تفسير السعدي، ص: 761. 2 المصباح المنير، ص: 1063.

بچپن میں میری پرورش کی ہے۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا ہے کہ (اس سب کچھ کے باوجود) والدین، دونوں یا ان میں سے کوئی ایک دین کے معاملے میں آپ کو اپنے پیچھے لگانا چاہیں (جبکہ وہ کافر و مشرک ہوں) تو اس معاملے میں ان کی پیروی ہرگز نہیں کرنی ہے، خواہ ان کی تمنا کتنی بھی شدید ہو لیکن یہ بات (کہ وہ کافر ہیں) آپ کو ان سے حسن سلوک کرنے میں مانع نہیں ہونی چاہیے، یعنی والدین سے حسن سلوک ہر صورت میں کرنا ہے۔[2]

آیت میں اس بات کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ والدین سے اختلافِ دین کے باوجود بھی تعلق ختم نہیں کرنا چاہیے حتی کہ اگر وہ کفر اور معاصی کی طرف بھی دعوت دیتے ہوں، تب بھی ان کی پیروی تو نہیں کرنی مگر حسن سلوک لازماً کرنا چاہیے۔ اس کی شدت سے تاکید ہے۔ ان سے اچھے سے اچھا سلوک کرنے اور مقاطعہ نہ کرنے کا حکم ہے لیکن اعتقادات میں ان کی اتباع درست نہیں بلکہ اس کے برعکس اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کے رستے کی پیروی کا حکم ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے مراد ہیں۔ ان کے راستے کی پیروی یہ ہے کہ انابت الی اللہ میں ان کے مسلک پر چلا جائے۔ انابت سے مراد دل کے محرکات اور ارادوں کا اللہ تعالیٰ کی مرضی کی طرف مائل ہونا، اس کے قریب ہونا اور پھر بدن کا ان ارادوں کی پیروی کرنا ہے۔[3]

امام طبرانی نے اس آیت کی شان نزول ''کتاب العشرۃ'' میں یوں بیان کی ہے:

سعد بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت: ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ

1 بنیٓ إسرآء یل 24:17. 2 المصباح المنير، ص: 1063. 3 تفسير السعدي، ص: 761.

بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ میرے بارے میں نازل ہوئی۔ فرماتے ہیں: میں اپنی والدہ کا نہایت فرماں بردار اور ان سے بہترین سلوک کرنے والا آدمی تھا۔ جب میں اسلام لایا تو میری والدہ نے کہا: اے سعد! یہ تونے کیا نیا طریقہ (دین) اختیار کرلیا ہے؟ اسے چھوڑ دے ورنہ میں کھاؤں گی نہ پیوں گی بلکہ بھوکی پیاسی مرجاؤں گی، لوگ تجھے طعنہ دیں گے اور تجھے یوں پکاریں گے: اے اپنی ماں کے قاتل! میں نے کہا: امی جان! ایسی بات نہ کرو۔ میں یہ دین کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن ایک دن رات گزر گیا، انھوں نے کچھ نہ کھایا، ان کی حالت خراب ہونے لگی۔ مزید ایک دن رات گزر گیا لیکن انھوں نے کچھ نہ کھایا، حالت مزید خراب ہوگئی۔ تیسرے روز بھی کچھ نہ کھایا تو ان کی حالت بہت زیادہ بگڑ گئی۔ میں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو کہا: اماں جان! یاد رکھو، اللہ کی قسم! اگر تیری سو جانیں ہوں اور ایک ایک کر کے اسی طرح نکل جائیں، تب بھی میں اپنے اس دین کو نہیں چھوڑوں گا۔ اب تمھاری مرضی ہے۔ جی چاہے کھاؤ، نہ چاہے تو نہ کھاؤ۔ چنانچہ انھوں نے کھانا شروع کردیا۔[1]

53

نبی ﷺ کی بیویوں اور عام عورتوں کو حصول علم اور عمل کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] المصباح المنیر، ص: 1063.

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۚ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا﴾

''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم تقویٰ اختیار کرتی ہوتو (کسی بھی غیر محرم سے) نزاکت سے (نرم لہجے میں) بات نہ کیا کرو کہ پھر وہ شخص جس کے دل میں روگ ہو، طمع کرنے لگے اور تم معقول بات کہا کرو۔ اور تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور گزشتہ دورِ جاہلیت کی زیب و زینت کی نمائش کے مانند (اپنی) زیب و زینت کی نمائش نہ کرتی پھرو اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو، اے اہل بیت! بس اللہ تو چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی دور کردے اور تمھیں خوب پاک کردے۔ اور تمھارے گھروں میں جو اللہ کی آیات اور حکمت (کی باتیں) پڑھی جاتی ہیں، وہ یاد کرو، یقیناً اللہ نہایت باریک بین، خوب باخبر ہے۔''[1]

یہ وہ آداب ہیں جنھیں اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی بیویوں کو حکم دیا ہے اور ان کی پیروی میں امت کی دوسری عورتوں کو بھی ایسے ہی اخلاق و آداب اپنانے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی بیویوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ اللہ کے حکم کے مطابق اللہ عزوجل کا تقویٰ اختیار کریں تو کوئی خاتون ان جیسی

[1] الأحزاب 33: 32-34.

ہوسکتی ہے نہ قدرومنزلت اور فضیلت میں ان کی ہمسری کرسکتی ہے۔ پھر باری تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ امام سدی وغیرہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ مردوں سے گفتگو کرتے وقت لہجے میں لچک پیدا نہ کرو۔[1]

اس ارشاد گرامی میں انھیں حرام کی طرف لے جانے والے اسباب و ذرائع ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ جس شخص کے دل میں شہوت زنا کا مرض ہو، وہ ایسے ادنیٰ ترین محرک کا بھی منتظر رہتا ہے جو اسے مشتعل کردے کیونکہ اس کا قلب صحیح نہیں۔ اور صحیح دل میں کسی ایسی چیز کی شہوت ہی نہیں ہوتی جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اس کے دل کے صحیح محسوسات اور مرض سے محفوظ ہونے کی وجہ سے اسباب گناہ اسے حرام شہوت کے لیے متحرک کرسکتے ہیں نہ اسے گناہ کی طرف مائل کرسکتے ہیں۔ اس کے برعکس جو دل بیمار ہے، وہ اس چیز کا متحمل نہیں ہوسکتا جس کا متحمل ایک صحت مند دل ہوسکتا ہے۔ وہ اس پر صبر نہیں کرسکتا جس پر صحت مند دل صبر کرسکتا ہے، لہٰذا ایک ادنیٰ سا سبب بھی اسے حرام کی دعوت دے تو وہ اس پر لبیک کہہ دیتا ہے اور گناہ کی طرف لپک پڑتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وسائل کے احکام بھی وہی ہیں جو مقاصد کے احکام ہیں۔ دھیمے لہجے میں گفتگو کرنا اور نرم کلامی اصل میں مباح ہیں مگر چونکہ اس طرح کی نرم کلامی حرام امر کے لیے وسیلہ بن سکتی ہے، اس لیے اس سے بھی روک دیا گیا۔ اس لیے عورت کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ مردوں سے مخاطب ہوتے وقت نرم لہجے میں بات نہ کرے۔[2]

جس طرح قرآن میں عورت کے لیے یہ تاکید ہے کہ وہ مردوں سے دھیمے لہجے

[1] المصباح المنير، ص: 1087. [2] تفسير السعدي، ص: 779.

میں گفتگو نہ کرے، اسی طرح اس بات کی بھی ہدایت ہے کہ درشت کلامی سے بھی اجتناب کرے، یعنی بالکل اکھڑ بات نہ کی جائے بلکہ اعتدال کے ساتھ دستور کے مطابق گفتگو کرے۔

اسی طرح عورت کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھر میں رہے، بلاضرورت گھر سے نہ نکلے، اس لیے کہ گھر زیادہ محفوظ اور سلامتی کا مقام ہے۔

خواتین کو جاہلیت کا سا بناؤ سنگھار کر کے اور خوشبو لگا کر گھروں سے باہر نکلنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عورت گھر سے نکلتی تھی تو مردوں کے آگے آگے چلتی تھی، اسی رویے کو تبرج جاہلیت کہا گیا ہے۔[1]

تبرج جاہلیت کا مطلب یہ ہے کہ بناؤ سنگھار کر کے اور خوشبو وغیرہ لگا کر بہت زیادہ اپنے گھروں سے نہ نکلا کرو جیسا کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی جن کے پاس یہ علم تھا نہ دین۔ یہ حکم شر اور اس کے اسباب کو روکنے کے لیے دیا گیا ہے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ سب سے بڑی عبادتیں اور جلیل القدر نیکیاں ہیں۔ نماز میں معبود کے لیے اخلاص اور زکاۃ میں اللہ تعالیٰ کے بندوں پر احسان ہے۔ پھر انھیں عمومی اطاعت کا حکم دیا۔ یاد رہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ہر قسم کا معاملہ شامل ہے، چاہے اس کا حکم وجوب کے طور پر دیا گیا ہو یا استحباب کے طور پر، نیز اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ نبی ﷺ کی بیویاں اہل بیت میں سے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَا

[1] المصباح المنير، ص: 1087. [2] تفسير السعدي، ص: 780.

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ ”اے اہل بیت! یقیناً اللہ تو چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی دور کر دے اور تمھیں خوب پاک کر دے۔“ یہ آیت مبارکہ نبی ﷺ کی بیویوں کے اہل بیت میں ہونے پر نصِّ صریح ہے کیونکہ وہی اس آیت کی شان نزول کا سبب ہیں۔[1]

اور جب اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو عمل کا حکم دیا جو ترک و اختیار پر مشتمل ہے تو پھر انھیں علم حاصل کرنے کا حکم بھی دیا اور اس کا طریقہ بھی بیان فرمایا: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ ”اور تمھارے گھروں میں اللہ کی جو آیات پڑھی جاتی ہیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں، انھیں یاد رکھو۔“ یہاں آیات الٰہی سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد قرآن کے اسرار اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا جو تلاوت قرآن کے ذریعے سے لفظی ذکر، اس کے معانی میں غوروفکر، اس کے احکام اور اس کی حکمتوں کے استخراج، اس پر عمل اور اس کی تاویل کے ذکر پر مشتمل ہے۔[2]

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نعمت کو یاد کرو جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں سے تمھیں خصوصی امتیاز سے نوازا ہے کہ وحی دیگر لوگوں کو چھوڑ کر تمھارے ہی گھروں میں نازل ہوتی ہے۔ آیات کا اختتام اللہ تعالیٰ کے بندوں پر لطف وکرم کے ذکر سے کیا ہے کہ وہی اکلوتی ہستی ہے جو اپنے بندوں کو مخفی طریقے سے خیر اور بھلائی عطا کرتی ہے اور شر سے بچاتی ہے جس کا انسان کو شعور تک نہیں ہوتا اور وہ مقدس ہستی اس طرح رزق عطا کرتی ہے کہ انسان کو اس کا

[1] المصباح المنير، ص: 1087. [2] تفسير السعدي، ص: 780.

ادراک بھی نہیں ہونے پاتا۔[1]

54

نیک خواتین کے لیے اجر وثواب

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾

”بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔“[2]

اس آیت کی شان نزول کے بارے میں ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے،

[1] تفسير السعدي، ص: 780. [2] الأحزاب 33: 35.

وہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبیٔ اکرم ﷺ سے عرض کی: (اللہ کے رسول!) کیا وجہ ہے قرآن میں جس طرح مردوں کا ذکر کیا جاتا ہے، اس طرح ہم عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا؟ ایک روز میں اچانک منبر پر رسول اکرم ﷺ کے خطاب سے حیران رہ گئی۔ وہ فرماتی ہیں: میں اس وقت بالوں میں کنگھی کر رہی تھی، میں نے فوراً اپنے بال لپیٹے اور اپنے گھر کے ایک کمرے کی طرف چلی گئی۔ میں نے اپنی توجہ کھجور کے تنے کی طرف مرکوز کی (جسے آپ دوران خطبہ ٹیک لگانے کے لیے استعمال کرتے تھے) آپ منبر کے پاس کھڑے ارشاد فرما رہے تھے: ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ......﴾ آپ نے آخر تک آیت تلاوت کی۔[1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ......﴾ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام میں فرق ہے۔ ایمان خاص ہے جبکہ اسلام اس کے مقابلے میں عام ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ﴾

''دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجیے: تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے اور ابھی تک ایمان تمھارے دلوں میں داخل (راسخ) نہیں ہوا۔''[2]

قنوت کا مطلب ہے کہ سکون و اطمینان کے ساتھ اطاعت و فرماں برداری کرنا۔

① مسند أحمد: 305/6، والسنن الكبرى للنسائي: 431/6. ② الحجرات 49 : 14.

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ۝﴾

''اور اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے بن کر کھڑے ہو جاؤ۔''[1]

پس اسلام کے بعد ایمان کا مرتبہ ہے، یعنی اسلام کی ترقی یافتہ صورت کا نام ایمان ہے، پھر ان دونوں کی تکمیل سے قوت قنوت پیدا ہوتی ہے۔ ﴿وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ﴾ پس سچائی نہایت قابل تعریف خوبی ہے، اس لیے بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام اور قبل از اسلام کسی دور میں بھی کوئی جھوٹ نہیں بولا، سچائی ایمان کی علامت ہے اور جھوٹ نفاق کی نشانی ہے۔ یقیناً جس نے سچ بولا، وہ نجات پا گیا۔[2]

صبر ایک مثبت عادت ہے جس کا مطلب ہے: مصائب و مشکلات میں ہمت سے کام لینا، ناگواریاں برداشت کرنا اور اس بات کا یقین رکھنا ہے کہ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے، وہ لامحالہ ہو کر رہے گا۔ اور پھر صبر و استقامت سے نوشتۂ تقدیر کا سامنا کرنا۔ حقیقی صبر صرف صدمے کی ابتدا کے وقت ہوتا ہے، یعنی مصیبت پہنچنے کے فوراً بعد اس کا برداشت کرنا مشکل ترین ہوتا ہے، پھر برداشت کی قوت پیدا ہو ہی جاتی ہے۔ یہ عادت کی سچائی اور اس کی استقامت ہے۔ اور خشوع کا مطلب، سکون، طمانیت، متانت و سنجیدگی، وقار اور عجز و انکسار ہے۔[3] اور خشوع کے عوامل خوف الٰہی اور اس کے سامنے جوابدہی کا احساس ہے جیسا کہ حدیث نبوی ہے:

«اُعْبُدِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ»

① البقرة 2 : 238. ② المصباح المنير، ص : 1089 مختصرًا. ③ المصباح المنير، ص : 1089 مختصرًا.

"اللہ کی عبادت اس طرح کر جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو یہ کیفیت پیدا نہ کر سکے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے تو (یہ کیفیت ضرور ہونی چاہیے کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔"[1]

اور صدقے کا مطلب ضرورت مند اور کمزور لوگوں کے ساتھ، جن کا کوئی ذریعہ آمدن ہو نہ کوئی کمانے والا، بھلائی کرنا ہے۔ انھیں اللہ کی فرماں برداری کرتے ہوئے اور اس کی مخلوق کے ساتھ احسان کے جذبے سے زائد از ضرورت اموال میں سے دینا۔ حدیث نبوی ہے:

«......وَالصَّدَقَةُ تُطْفِىءُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِىءُ الْمَاءُ النَّارَ»

"...... اور صدقہ گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے پانی آگ کو ختم کر دیتا ہے۔"[2]

روزہ جسم کو صاف شفاف کر کے طبعی اور شرعی طور پر تمام آلائشوں سے پاک کر دیتا ہے۔ روزہ شہوت توڑنے کا بہترین ذریعہ ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»

"اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ شادی کر لے کیونکہ نکاح نظر نیچی رکھنے اور شرمگاہ کو (بدفعلی)

1 صحيح البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ......، حديث: 50. 2 جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في حرمة الصلاة، حديث: 2616.

سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے اور جس میں نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو، اسے روزے رکھنے چاہئیں کیونکہ وہ اس کی شہوت ختم کر دیتے ہیں۔"[1]

اس کے بعد موزوں اور مناسب سمجھتے ہوئے ﴿وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ﴾ کا ذکر کیا گیا، یعنی محرمات اور گناہوں سے اپنی عصمتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔[2]

ان صفات کا اختتام "صفت ذکر" سے کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ یعنی وہ بیشتر وقت اللہ کے ذکر میں گزارتے ہیں۔ خصوصاً صبح و شام اور فرض نمازوں کے بعد مقررہ مسنون اذکار اہتمام کے ساتھ کرتے ہیں۔[3]

آیت میں مذکور لفظ "کثیر" اس بات کی دلیل ہے کہ قلب ولسان سے کثرت ذکر مشروع ومطلوب ہے۔[4]

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا صفات کے حاملین افراد کے لیے ان کے گناہوں کی معافی کا اعلان فرمایا ہے کہ ان سے سرزد ہونے والے گناہوں کے لیے اس نے مغفرت کا اہتمام کر رکھا ہے۔ اور انھوں نے اسلام، ایمان، قنوت، سچائی، صبر، خشوع، صدقہ و خیرات، روزے، پاک دامنی اور ذکر میں اطاعت وفرماں برداری کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اس پر رب کریم انھیں اجر عظیم سے نوازے گا۔ اور "اجر" کی صفت "عظیم" کا ذکر کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس اجر سے بڑھ کر کوئی اور اجر نہ ہوگا اور جس سے بڑھ کر کوئی بڑا اجر نہ ہوگا، وہ جنت اور اس کی ہمیشہ رہنے والی، کبھی ختم نہ ہونے

1 صحيح البخاري، النكاح، باب قول النبي ﷺ: من استطاع منكم الباءة......، حديث: 5066,5065. 2 المصباح المنير، ص: 1090 مختصرًا. 3 تفسير السعدي، ص: 780. 4 حسن الأسوة، ص: 144.

والی اور کبھی زائل نہ ہونے والی نعمتیں ہوں گی۔“[1]

55

منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِ اَمۡسِكۡ عَلَیۡكَ زَوۡجَكَ وَاتَّقِ اللّٰہَ وَتُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِكَ مَا اللّٰہُ مُبۡدِیۡہِ وَتَخۡشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشٰىہُ ؕ فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡہَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰكَہَا لِكَیۡ لَا یَكُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِہِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡہُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ مَفۡعُوۡلًا ○﴾

”اور (اے نبی! یاد کریں) جب آپ اس شخص (زید بن حارثہ) سے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا تھا، کہہ رہے تھے کہ تو اپنی بیوی (زینب) کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ بات (لے پالک کی مطلقہ سے نکاح) چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں، پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کردیا تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) میں کوئی حرج نہ رہے، جب وہ ان سے (اپنی) حاجت پوری

[1] حسن الأسوة، ص: 144.

کرلیں اور اللہ کا حکم تو (پورا) ہو کر ہی رہتا ہے۔“[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے رحیمانہ تنبیہ کا انداز اپنایا ہے۔ یہ معاملہ سیدنا زید اور زینب رضی اللہ عنہما کے سلسلے میں اس وقت پیش آیا جب سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے انھیں طلاق دے دی اور آپ ﷺ نے عدت کے بعد متبنیٰ کی رسم کو باطل قرار دینے کے لیے (اللہ کے حکم سے) زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا۔ آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے ایک عام قانون مشروع کرنے کا ارادہ فرمایا کہ منہ بولے بیٹے، بہرحال حقیقی بیٹوں کے حکم میں داخل نہیں ہیں اور ان کی بیویوں کے ساتھ (طلاق وغیرہ کے بعد) متبنیٰ بنانے والوں کے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ معاملہ ان امور عادیہ میں شمار ہوتا تھا جو کسی بہت بڑے واقعے کے رونما ہوئے بغیر ختم نہیں ہوسکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ یہ قانون رسول اکرم ﷺ کے قول وفعل کے ذریعے سے وجود میں آئے۔ اور اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لیے کوئی سبب مقرر کردیتا ہے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد ﷺ کہہ کر پکارا جاتا تھا جنھیں نبی ﷺ نے متبنیٰ بنایا تھا۔ انھیں مسلسل زید بن محمد کہا جاتا رہا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اُدۡعُوۡہُمۡ لِاٰبَآئِہِمۡ﴾ ”انھیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو۔“ تب انھیں زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ ان کی بیوی زینب بنت جحش رسول اکرم ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں۔ رسول اکرم ﷺ کے دل میں یہ بات تھی کہ اگر زید نے انھیں طلاق دے دی تو آپ ﷺ ان سے نکاح کرلیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات مقدر ہی فرما دی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے مابین کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی بنا پر زید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ

[1] الأحزاب 33: 37.

کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کی اجازت مانگی۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں اپنے نبی ﷺ کو خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کہا ہے: (اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی روکے رکھو......) یہ وہی زید ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اتباع رسول ﷺ کی نعمت سے سرفراز فرمایا اور (اے پیغمبر!) آپ نے بھی ان پر احسان کیا، یعنی انھیں غلامی سے آزاد کرایا۔ پھر وہ ایسے جلیل القدر سردار بن گئے جو جناب رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے اور انھیں ''حِبُّ رَسُولِ اللّٰہِ'' کہہ کر پکارا جاتا تھا اور ان کے صاحبزادے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ محبوب ابن محبوب کہلاتے تھے۔[2]

رسول اکرم ﷺ نے ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد سیدہ زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا سے کی۔ وہ سال بھر ان کے نکاح میں رہیں، پھر ان میں باہمی رنجش پیدا ہوگئی۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ ان کی شکایت لے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے (وہ طلاق دینا چاہتے تھے) رسول اکرم ﷺ انھیں یہ رشتہ نبھانے کی تلقین فرماتے رہے کہ ﴿ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ﴾ ''اور آپ اپنے دل میں وہ بات (لے پالک کی مطلقہ سے نکاح) چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اگر محمد ﷺ وحی میں سے، جو اللہ نے کتاب کی صورت میں اتاری ہے، کچھ چھپاتے تو یہ آیت: ﴿ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ

1 تفسیر السعدي، ص: 781. 2 المصباح المنیر، ص: 1091.

اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ﴾ ضرور چھپاتے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا ﴾ ''پس جب زید نے اس سے اپنی ضرورت پوری کر لی تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا۔'' یعنی جب زید نے خوش دلی سے بربنائے عدم رغبت اسے جدا کر دیا تو ہم نے آپ سے اس کی شادی کر دی۔ یہ شادی خود اللہ تعالیٰ نے کی، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر وحی کی کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا سے بغیر ولی، عقد، حق مہر اور انسانی گواہوں کے مباشرت کریں (وہ آپ کی بیوی ہے)۔[2]

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآىِٕهِمْ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ یہ قانون ہم نے اس لیے بنایا تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے شادی کرنے میں کوئی رکاوٹ اور اندیشہ باقی نہ رہے۔ واقعہ یوں ہوا کہ رسول اکرم ﷺ نے نبوت سے پہلے زید بن حارثہ کو متبنیٰ بنایا ہوا تھا اور انھیں زید بن محمد کہا جاتا تھا، جب اللہ تعالیٰ نے یہ نسبت ختم کر دی اور فرمایا:

﴿ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾

''اور نہ اس نے تمھارے لے پالکوں (منہ بولے بیٹوں) کو تمھارا (حقیقی) بیٹا بنایا ہے، یہ تو تمھارے اپنے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ حق (بات) کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ ان (لے پالکوں) کو ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارو، اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے۔''[3]

1 تفسیر الطبري: 303/10. 2 المصباح المنیر، ص: 1092. 3 الأحزاب 33: 5,4.

پھر اس کی تاکیدِ مزید اور اظہار و اعلان کے لیے رسول اکرم ﷺ کی شادی سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کردی جب کہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے انھیں طلاق دے دی تھی۔ [1]

یہ قصہ درج ذیل فوائد پر مشتمل ہے:

① ان آیات کریمہ میں دو لحاظ سے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مدح کی گئی ہے:

- اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کا نام ذکر کیا ہے جبکہ آپ کے علاوہ کسی صحابی کا نام قرآن میں نہیں آیا۔
- اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اس نے زید رضی اللہ عنہ کو نعمت سے نوازا، یعنی اسلام اور ایمان کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گواہی ہے کہ زید ظاہری اور باطنی طور پر مسلمان اور مومن تھے ورنہ اس نعمت کو ان کے ساتھ مختص کرنے کی کوئی وجہ نہیں، سوائے اس کے کہ اس سے مراد نعمت خاص ہے۔

② جس شخص کو آزاد کیا گیا ہو، وہ آزاد کرنے والے کا ممنون نعمت ہے۔

③ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے جیسا کہ اس کی تصریح کی گئی ہے۔

④ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ عملی تعلیم لسانی تعلیم سے زیادہ بلیغ اور موثر ہوتی ہے، خاص طور پر جب عملی تعلیم قولی تعلیم سے مقرون ہو تو پھر ”سونے پہ سہاگہ“ ہے۔

⑤ انسان کے دل میں اپنی بیوی اور لونڈی کے علاوہ کسی اور عورت کی رغبت کا پیدا ہو جانا قابل گرفت نہیں ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ رغبت یا محبت فعل حرام سے آلودہ نہ ہو۔ بندہ اس محبت پر گناہ گار نہیں، چاہے اس کی یہ آرزو بھی ہو کہ اگر اس کا

[1] المصباح المنیر، ص: 1092.

شوہر اسے طلاق دے دے تو وہ اس سے نکاح کرے گا مگر وہ کسی اعتبار سے ان کے درمیان جدائی ڈالنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو اپنے دل میں مخفی رکھا۔

⑥ ان آیات کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کو واضح طریقے سے پہنچا دیا۔ آپ ﷺ کی طرف جو کچھ بھی وحی کیا گیا، وہ سب اپنے کامل معنوں میں پوری طرح پہنچا دیا اور کچھ بھی باقی نہیں رکھا حتیٰ کہ جس آیت میں آپ کو تنبیہ کی گئی تھی، وہ بھی پہنچا دی اور یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے برحق رسول ہیں اور وہی بات کہتے ہیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور آپ ﷺ اپنی بڑائی نہیں چاہتے۔

⑦ آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جس سے مشورہ کیا جائے، وہ امین ہوتا ہے۔ جب بھی کسی معاملے میں اس سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے تو وہ اپنے علم کے مطابق بہترین مشورہ دیتا ہے اور مشورہ طلب کرنے والے کے مفاد کو اپنی خواہش نفس اور غرض پر مقدم رکھتا ہے، چاہے اسے اپنے جذبات قربان ہی کرنے پڑیں۔

⑧ یہ بات متعین اور ہمیشہ کے لیے اٹل ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے خوف کو بندوں کے خوف پر مقدم رکھے اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا خوف ہی دلوں میں جاگزیں رہنا چاہیے۔

⑨ ان آیات کریمہ سے ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی فضیلت بھی عیاں ہوتی ہے کیونکہ ان کے نکاح کی اللہ تعالیٰ نے سرپرستی فرمائی جس میں کوئی خطبہ تھا نہ گواہ۔ اسی بنا پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کی دیگر ازواج مطہرات پر فخر کا اظہار کرتے

ہوئے فرمایا کرتی تھیں: تمھارے نکاح تمھارے گھر والوں نے کیے ہیں اور میرا نکاح سات آسمانوں پر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

⑩ ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورت شادی شدہ ہو اور اس کا شوہر موجود ہو تو اس سے نکاح جائز ہے نہ اس سلسلے میں کسی قسم کی کوئی کوشش کرنا جائز ہے تاوقتیکہ اس کا خاوند اس سے اپنی حاجت پوری کر لے (پھر اسے طلاق دے دے اور بعد ازاں طلاق کی عدت بھی پوری ہو جائے)۔[1]

اس طرح منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح کرنے کے رفع حرج کی وضاحت بھی ہوتی ہے۔''أَدْعِيَاءَ'' کا مطلب یہ ہے کہ عرب جسے متبنیٰ، یعنی منہ بولا بیٹا بناتے تھے۔ یہ ان کا عام رواج تھا۔ شریعت نے متبنیٰ کو حقیقی بیٹے کے قائم مقام بنانے کا اقدام باطل قرار دے دیا کیونکہ حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام تھا لیکن متبنیٰ کی بیوہ سے نکاح جائز قرار دے دیا گیا۔

56

دخول سے قبل طلاق ہو جائے تو عدت نہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ

1 تفسير السعدي، ص: 782,781.

سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝﴾

''اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر انھیں چھونے سے پہلے انھیں طلاق دے دو تو تمھارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں کہ تم اس (عدت) کو شمار کرو، لہٰذا تم انھیں کچھ دے دلا کر نہایت اچھے طریقے سے رخصت کر دو۔''[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو آگاہ فرماتا ہے کہ وہ مومن عورتوں سے نکاح کریں، پھر اگر انھیں چھوئے بغیر طلاق دینے کی نوبت آ جائے تو اس صورت میں مطلقہ عورتوں پر کوئی عدت لاگو نہیں ہوگی مگر اس صورت میں بھی اللہ تعالیٰ مردوں کو حکم دیتا ہے کہ انھیں کچھ دے دلا کر رخصت کرو تاکہ ان کی اس دل شکنی کا کسی قدر ازالہ ہو جائے جو انھیں طلاق کی وجہ سے لاحق ہوئی ہے اور انھیں بغیر مخاصمت کے اچھے طریقے سے علیحدہ کر دو اور طلاق دینے کے لیے ان سے کسی چیز کا مطالبہ بھی نہ کرو۔

اس آیت سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ طلاق صرف نکاح کے بعد ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص نکاح سے پہلے ہونے والی بیوی کو طلاق دے دے یا طلاق کو نکاح سے معلق کر دے تو یہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

﴿اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ﴾

''جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر انھیں طلاق دے دو۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے نکاح کا ذکر پہلے کیا ہے اور طلاق کی بات بعد میں کی ہے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق کا کوئی موقع محل نہیں ہے۔[2]

1 الأحزاب 33 : 49. 2 تفسير السعدي، ص: 784.

پس جس شخص نے یہ کہا کہ میں جس عورت سے شادی کروں، اسے طلاق ہے، اس کے اس قول کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، نہ وہ قول مؤثر ہوگا۔ اس کی دلیل درج ذیل ارشاد نبوی ہے:

«لَا طَلَاقَ لِابْنِ آدَمَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ»

''ابن آدم (آدمی) جس کا مالک نہیں، اس میں اس کی طلاق (مؤثر) نہیں ہے۔''[1]

اسی طرح درج ذیل ارشاد باری بھی اس کی دلیل ہے:

﴿فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا﴾

''تمھارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں کہ تم اسے شمار کرو۔''

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر عورت کو دخول سے پہلے طلاق دی جائے تو اس کے ذمے کوئی عدت نہیں ہے، وہ چاہے تو طلاق کے فوراً بعد نکاح کر سکتی ہے، البتہ جس خاتون کا خاوند فوت ہو جائے، اس کے لیے عدت گزارنا ضروری ہے۔ وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے گی، چاہے اس کا شوہر دخول سے پہلے ہی فوت ہوا ہو، اس شکل میں عدت گزارنے پر بھی اجماع ہے۔

اور متعہ (فائدہ دینے) سے مراد یہ ہے کہ اگر مہر مقرر ہے تو اس کا نصف دیا جائے، بصورت دیگر اگر مہر مقرر نہیں ہے، تب بھی اس کی دل شکنی کے ازالے کے لیے اسے فائدہ ضرور پہنچایا جائے۔[2]

[1] مسند أحمد: 191/2، وسنن أبي داود، الطلاق، باب في الطلاق قبل النكاح، حديث: 2190. [2] المصباح المنير، ص: 1097.

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا:

''اگر (دخول سے قبل طلاق دی جانے والی عورت کا) مہر مقرر کیا گیا ہو تو اس مقرر شدہ مہر کا نصف اسے دیا جائے اور اگر حق مہر مقرر نہیں کیا گیا تو اس صورت میں ہر انسان اپنی مالی استعداد کے مطابق اسے کچھ نہ کچھ ضرور دے۔ یہی بات سراحِ جمیل (اچھے طریقے سے رخصت کرنا) ہے۔''[1]

57

عورت اور پردہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْــَٔـلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ؀﴾

''اے ایمان والو! تم نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، الّا یہ کہ تمھیں

[1] تفسير الطبري: 308/10، والمصباح المنير، ص: 1097.

کھانے کے لیے اجازت دی جائے، نہ یہ کہ (وہاں جا کر) کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہو لیکن جب تمھیں دعوت دی جائے، تب تم داخل ہو جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور (وہیں) باتوں میں نہ لگے رہو۔ بلاشبہ تمھاری یہ روش نبی (ﷺ) کو تکلیف دیتی ہے، چنانچہ وہ تم سے شرماتے ہیں اور اللہ حق بات سے نہیں شرماتا اور جب تم ان (ازواجِ نبی) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ بات تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا دو اور نہ یہ (جائز ہے) کہ تم اس (کی وفات) کے بعد کبھی اس کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک تمھارا یہ فعل اللہ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہے۔''[1]

یہ حجاب کی آیت ہے اور اس میں شرعی احکام و آداب کا ذکر ہے۔[2]

اس آیت کا سببِ نزول ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمے کے موقع پر سرزد ہونے والی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کوتاہی ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس روز ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی، آپ ﷺ نے (دعوتِ ولیمہ میں) ہمیں روٹی اور گوشت کھلایا۔ لوگ کھانا کھا کر چلے گئے مگر چند افراد کھانا کھانے کے بعد وہیں گھر میں بیٹھے بیٹھے باتوں میں مشغول ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے کچھ دیر انتظار فرمایا تاکہ یہ لوگ چلے جائیں، آپ ﷺ باہر نکل گئے اور شرم کی وجہ سے انھیں چلے جانے کو نہ کہا۔ میں آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے گھر سے نکلا تو آپ ﷺ باقی ازواجِ مطہرات کے حجروں میں گئے، انھیں سلام کہا۔ انھوں نے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! آپ

[1] الأحزاب 33: 53. [2] المصباح المنير، ص: 1100.

نے (نئی) بیوی کو کیسا پایا؟ مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ کو اطلاع دی کہ لوگ چلے گئے ہیں یا کسی اور نے آ کر بتایا کہ وہ لوگ جا چکے ہیں، پھر آپ واپس گھر گئے۔ داخل ہوئے تو میں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ جانا چاہا لیکن آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ لٹکا لیا۔ پھر پردے کا حکم نازل ہوا اور آپ ﷺ نے لوگوں کو وعظ کیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں یہ حکم تھا کہ ﴿لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ﴾ ''(اے ایمان والو!) نبی کے گھر میں داخل نہ ہو......''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! آپ کی بیویوں کے پاس آپ کے گھر میں نیک و بد ہر طرح کے لوگ آتے ہیں، اگر آپ امہات المؤمنین کو پردے کا حکم دے دیں تو؟ پھر اللہ تعالیٰ نے حجاب کی آیت نازل فرمائی۔[2]

آیت میں وارد نہی عام ہے، یعنی کسی بھی مومن کو بغیر اجازت لیے رسول اللہ ﷺ کے گھر نہیں جانا چاہیے۔[3]

مطلب یہ ہے کہ کھانے کے لیے داخلے کی اجازت لیے بغیر نبی کریم ﷺ کے گھر میں داخل نہ ہوا کرو۔ اسی طرح کھانا تیار ہونے اور اس کے پکنے کا انتظار بھی (نبی ﷺ کے گھر میں) نہ کیا کرو اور کھانا کھا کر لوٹنے میں بھی تاخیر نہ کرو۔[4]

اس کے معنی یہ ہیں کہ تم دو شرائط کے ساتھ نبی ﷺ کے گھر میں داخل ہو سکتے ہو:

[1] المصباح المنير، ص: 1100. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ......﴾، حديث 4791، وصحيح مسلم، النكاح، باب زواج زينب بنت جحش ونزول الحجاب، حديث: 1428. [3] حسن الأسوة، ص 154. [4] تفسير السعدي، ص: 786.

① داخل ہونے کی اجازت ملنے کے بعد۔

② تمھارا نبی ﷺ کے گھر میں بیٹھنا ضرورت کے مطابق ہو۔

پھر اس نہی کی حکمت اور فائدہ بیان کیا کہ ضرورت سے زائد نبی ﷺ کے گھر میں ٹھہرنے سے رسول اکرم ﷺ کو ایذا ہوتی ہے اور تمھارا وہاں بلاوجہ رکے رہنا آپ ﷺ پر گراں گزرتا ہے اور آپ ﷺ اپنے گھر کے کام کاج بھی انجام نہیں دے سکتے، نیز آپ ﷺ اس بات سے شرماتے ہیں کہ تمھیں یہ کہیں کہ تم چلے جاؤ کیونکہ آپ ﷺ اپنی فطری حیا کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے اس سے منع کر دیا۔ اسی طرح امہات المؤمنین کے پاس جانے سے بھی روک دیا گیا اور ان کی طرف دیکھنا مطلق ممنوع قرار دیا اور حکم دیا کہ اگر کوئی شخص ضرورت کے پیش نظر ان سے کوئی چیز لینا چاہتا ہے یا سوال کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ پردے کے پیچھے رہ کر عرضِ حال کرے۔[1]

اور انھیں دیکھنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کے دل پاکیزہ رہیں کیونکہ یہ طریقہ کسی قسم کے شبہے سے بعید تر ہے۔ اور انسان شر کی طرف دعوت دینے والے اسباب سے جتنا دور رہے گا تو یہ عمل اس کے قلب کے لیے اتنی ہی زیادہ سلامتی اور پاکیزگی کا باعث ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام شرعی امور کی بہت زیادہ تفاصیل بیان کی ہیں اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ برائی کے تمام وسائل، اسباب اور مقدمات ممنوع اور ان سے ہر ممکن دور رہنا مشروع ہے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر آپ ﷺ کی بیویوں کی حرمت بیان کرتے ہوئے

① المصباح المنير ص:1101. ② تفسير السعدي، ص : 786.

فرمایا کہ مومنوں کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے شادی کریں کیونکہ یہ بات رسول اکرم ﷺ کو اذیت دیتی ہے کیونکہ وہ دنیا و آخرت میں آپ کی بیویاں اور مومنوں کی مائیں ہیں اور اولاد کے لیے ماؤں سے نکاح جائز نہیں۔[1]

تحقیق اللہ تعالیٰ نے بڑی سختی سے اس سے منع کر دیا اور ایسا کرنے والے کو وعید شدید سنائی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا۝﴾

''بے شک یہ اللہ کے نزدیک بہت بُرا (گناہ کا کام) ہے۔''

امت مسلمہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور ان امور سے اجتناب کیا جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ نے روکا تھا۔[2]

58

محرم سے پردہ نہ کرنے کا مسئلہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا۝﴾

① حسن الأسوة، ص : 155. ② تفسير السعدي، ص: 670.

''عورتوں پر اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے بھتیجوں اور اپنے بھانجوں اور اپنی عورتوں اور اپنی ملکیت میں آنے والوں، یعنی لونڈی اور غلاموں (کے سامنے آنے) میں کوئی گناہ نہیں اور (اے عورتو!) تم اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔''[1]

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے عورتوں کو اجنبی (غیر محرم) مردوں سے پردے کا حکم دیا تو اس امر کی بھی وضاحت فرمائی کہ محرم مردوں سے پردہ ضروری نہیں جیسا کہ سورۂ نور میں ان مردوں کی تفصیل بیان فرمائی جن سے پردہ واجب نہیں ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ﴾

''اور اپنا بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں پر یا اپنے باپ دادا پر۔''[3]

درج بالا آیت میں مذکور قریبی (محرم) مردوں سے پردہ رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے لیے ضروری نہیں تھا اور عام مسلمان عورتوں کے لیے بھی مذکورہ بالا مردوں سے پردہ واجب نہیں بلکہ ان مردوں کے لیے دیکھنا اور کلام کرنا جائز ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَلَا نِسَائِهِنَّ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ دوسری عورتوں سے پردہ نہ کرنے پر بھی کوئی گناہ نہیں، یعنی وہ عورتیں جو دین میں ان کی ہم جنس ہیں۔ آیت کریمہ کے اس جملے کی رو سے کافر عورتیں اس حکم سے نکل جاتی ہیں۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد جنسِ عورت ہے، تب معنی یہ ہوں گے کہ عورت سے پردہ نہ کرے۔[4]

[1] الأحزاب 33 : 55. [2] المصباح المنير، ص : 1102. [3] النور 24 : 31. [4] تفسير السعدي، ص : 787.

اور فرمان باری تعالیٰ ﴿وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ﴾ کی رو سے غلام اور لونڈیوں کا بھی استثنا ہے کہ وہ انھیں دیکھ سکتے اور کلام کر سکتے ہیں۔[1] بشرطیکہ متعلقہ عورت پورے غلام کی مالک ہو۔

جب مذکورہ بالا مردوں سے پردہ نہ کرنے کی اجازت دی تو ان کے بارے میں اور ان کے علاوہ دیگر امور میں بھی بہر صورت تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا اور تاکید فرمائی کہ شریعت کے حرام کردہ کسی امر کا ارتکاب نہ ہو۔

لہٰذا انھیں تمام معاملات میں تقوے کے التزام کا حکم دیا اور پردے کے معاملے میں بھی تقویٰ ملحوظ رکھنے کو اُن جملہ امور میں سے قرار دیا (جن کا اہتمام ضروری ہے)۔

آیت کا اختتام اس بات پر کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ کر رہا ہے اور بندوں کے تمام ظاہری اور باطنی اعمال دیکھ رہا ہے۔ ان کے تمام اقوال کو سن رہا ہے ان کی تمام حرکات اس کی نظر میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ان اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔[2]

59

پردے کے فوائد

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ

[1] حسن الأسوة، ص : 155. [2] تفسير السعدي، ص : 787.

جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾

”اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، یہ (بات) اس کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور انھیں ایذا نہ پہنچائی جائے اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“[1]

اس آیت کو آیت حجاب سے موسوم کیا گیا ہے۔[2]

اس میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ مومن عورتوں، بالخصوص اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو، ان کے شرف ومجد کے پیش نظر، حکم دیں کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں اوڑھ لیا کریں اور گھونگٹ نکال لیا کریں تاکہ ان کی ہیئت وصورت اہلِ جاہلیت کی بدکردار عورتوں سے مختلف ہو۔ جلباب اس چادر کو کہتے ہیں جو دوپٹے کے اوپر اوڑھی جاتی ہے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی علماء کا یہی قول ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اس کی ابتدا اپنی ازواج مطہرات اور بیٹیوں سے کریں کیونکہ دوسروں کی نسبت ان کے لیے یہ حکم زیادہ مؤکد ہے۔ مزید برآں کسی معاملے میں دوسروں کو حکم دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ حکم کے اطلاق ونفاذ کا آغاز سب سے پہلے وہ اپنے گھر سے کرے۔[4]

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ وہ اپنی چادر

1 الأحزاب 33 : 59. 2 تفسير السعدي، ص : 788. 3 المصباح المنير، ص : 1106.
4 تفسير السعدي، ص : 788.

اوڑھ کر گھونگٹ نکال لیا کریں، اس میں جلباب سے مراد وہ کپڑا ہے جو عام لباس کے اوپر اوڑھ لیا جاتا ہے، مثلاً: دوپٹا، اوڑھنی اور چادر وغیرہ، یعنی چادر وغیرہ سے اپنا چہرہ اور سینہ ڈھانپ لیا کریں۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ ان کی نافرمان عورتوں سے تمیز ہوجائے اور لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ وہ نیک اور صالح عورتیں ہیں تاکہ کوئی بدکردار شخص انھیں تکلیف نہ پہنچا سکے۔[2]

یہ آیت عدم حجاب کی صورت میں اذیت رسانی کے امکان پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اگر وہ پردہ نہیں کریں گی تو بسا اوقات ان کے بارے میں کوئی شخص اس وہم میں بھی مبتلا ہوسکتا ہے کہ یہ عورتیں پاکباز نہیں ہیں، یوں کوئی بدکردار شخص جس کے دل میں مرض ہو، چھیڑ چھاڑ کر کے انھیں تکلیف پہنچا سکتا ہے، بے حجابی کی صورت میں بسا اوقات ان کی اہانت بھی ہوسکتی ہے۔ کوئی شریر شخص انھیں غلط کردار والی سمجھ کر ان سے برا سلوک بھی کرسکتا ہے، لہٰذا حجاب بدکردار اور بدطینت لوگوں کی لالچ بھری نگاہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا اختتام بندوں کے لیے اپنی مغفرت اور رحمت کے ذکر جمیل پر کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ زمانۂ جاہلیت میں کیے گئے سابقہ گناہ معاف کرنے والا ہے جو ان سے لاعلمی کی بنا پر سرزد ہوئے تھے۔[4]

1 تفسير السعدي، ص : 788. 2 حسن الأسوة، ص : 157. 3 تفسير السعدي، ص : 788.
4 المصباح المنير، ص : 1106.

60

بطن مادر کی تاریکیاں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ○﴾

''وہ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے، ایک پیدائش (مرحلے) کے بعد دوسری پیدائش میں، تین قسم کے اندھیروں (پردوں) میں، یہ ہے اللہ تمھارا رب، اسی کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں پھرے (بہکے) جاتے ہو؟''[1]

جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے والدین (آدم وحواء علیہما السلام) کی تخلیق کا ذکر فرمایا تو ہماری تخلیق کی ابتدا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹ میں ایک مرحلے کے بعد دوسرے مرحلے میں بتدریج تخلیق کرتا چلا جاتا ہے اور تمھاری حالت یہ ہوتی ہے کہ کسی مخلوق کا ہاتھ تمھیں چھوسکتا ہے، نہ کوئی آنکھ تمھیں دیکھ سکتی ہے۔ اس قدر تنگ جگہ میں اللہ تعالیٰ نے تمھاری پرورش فرمائی ہے۔[2]

[1] الزمر 39 :6. [2] تفسير السعدي، ص : 846.

تم میں سے ہر شخص پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر جما ہوا خون بنتا ہے، پھر گوشت کا ایک لوتھڑا بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق کو ترقی دیتے ہوئے اس کا گوشت، ہڈیاں، پٹھے اور رگیں پیدا فرماتا ہے اور اس میں روح پھونکتا ہے تو وہ ایک مخلوق، یعنی انسان بن جاتا ہے۔[1]

یہ سارا عمل تین اندھیروں میں ہوتا ہے، یعنی پیٹ کا اندھیرا، رحم کا اندھیرا اور اس جھلی کا اندھیرا جس میں بچہ لپٹا ہوتا ہے۔ اور جس نے یہ سارا اہتمام کیا، وہی اللہ رب العزت ہے جس نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اسے پیدا کیا، جس نے تمھیں اور تمھارے آباء واجداد کو پیدا فرمایا، وہی رب ہے، ہر سُو اسی کی شہنشاہی ہے اور ان تمام چیزوں میں اسی کا تصرف اور اختیار ہے۔[2]

اللہ ہی تمھارا الٰہ اور معبود حقیقی ہے جس نے تمھاری پرورش اور تدبیر کی۔ جس طرح وہ تمھیں پیدا کرنے اور پرورش کرنے میں اکیلا اور یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی طرح وہ اپنی الوہیت میں بھی اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ○﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود (حقیقی) نہیں، پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟'' یعنی تم اس کے ساتھ غیروں کی عبادت کیوں کرتے ہو (اس قدر وضاحت کے بعد بھی شرک کا راستہ اختیار کرتے ہو)، تمھاری عقلیں کہاں گم ہوگئیں؟[4]

[1] المصباح المنير، ص : 1182. [2] المصباح المنير، ص : 1182. [3] تفسير السعدي، ص : 846. [4] المصباح المنير، ص : 1182.

61

حمل اور وضع حمل کے احوال اللہ ہی کے علم میں ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ﴾

’’اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور بچہ جنتی ہے، (سب کچھ) اللہ کے علم میں ہے۔‘‘[1]

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے وسیع علم کا ذکر ہے، نیز ان امور کا ذکر بھی کیا گیا ہے جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ ’’قیامت کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔‘‘ یعنی تمام مخلوق کا علم اللہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور اس کے علم سے ماخوذ ہے۔ تمام انبیائے کرام اور فرشتے وغیرہ اس بارے میں اپنے عجز اور بے بسی کا اقرار کرتے ہیں، نیز فرمایا: ﴿وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ أَكْمَامِهَا﴾ ’’اور جو بھی پھل اپنے شگوفوں سے نکلتے ہیں۔‘‘ یعنی وہ خول اور شگوفے جن سے پھل نکلتے ہیں۔ یہ ارشاد مبارک شہروں اور جنگلوں میں اگنے والے تمام درختوں اور پودوں کے بارے میں ہے، یعنی کسی بھی درخت پر جو پھل بھی لگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک ریشے

[1] حمٓ السجدة 41 : 47.

کو جانتا ہے۔

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ ......﴾ کا مطلب یہ ہے جو بھی بنت آدم اور باقی تمام مادہ حیوانات جو حمل بھی اٹھاتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور جو حاملہ جو بچہ جنتی ہے اللہ کو اس کا بھی بخوبی علم ہے۔[1]

ہر چیز اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم میں ہے۔ زمین و آسمان میں ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جو اس کے علم سے ماورا ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا﴾

’’اور کوئی پتا ایسا نہیں گرتا جسے وہ جانتا نہ ہو۔‘‘[2]

نیز عظمت و بزرگی کے لائق مالک کا ارشاد ہے:

﴿يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ﴾

’’اللہ جانتا ہے ہر مادہ جو کچھ پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے اور جو کچھ رحم کم کرتے ہیں اور جو کچھ زیادہ کرتے ہیں اور اس کے ہاں ہر چیز کی ایک مقدار (مقرر) ہے۔‘‘[3]

اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ نجومیوں، کاہنوں اور کشف کا دعویٰ کرنے والوں کی (امور غیب کے متعلق) باتیں ’پا در ہوا‘ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اور ان کے پاس قطعی اور حتمی علم نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے بلکہ ان کا مبلغ علم

[1] تفسير السعدي، ص: 884. [2] الأنعام 6 : 59. [3] الرعد 13:8، والمصباح المنير، ص: 1227.

ظن باطل اور وہم فاسد ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم یقینی اور قطعی ہے جس میں اس ذات عالی کا کوئی شریک نہیں۔[1]

پس اللہ تعالیٰ کا علم حاملہ کے حمل پر بھی محیط ہے۔ بنی نوع انسان اور تمام مادہ حیوانات کے حمل کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

62

اولاد دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی پر منحصر ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝﴾

”جسے چاہے (صرف) بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہے (صرف) بیٹے عطا کرتا ہے یا انھیں بیٹے اور بیٹیاں ملا کر دیتا ہے اور جسے چاہے بے اولاد رکھتا ہے۔ بے شک وہ خوب جاننے والا، بہت قدرت والا ہے۔“[2]

اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ ہوتا وہی ہے جو وہ چاہے اور اگر وہ نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ وہ جسے چاہے عطا کرتا ہے اور جسے چاہے محروم کردیتا ہے اور اس سے اپنے عطیے روک لیتا ہے جو کچھ وہ عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو وہ روک

[1] حسن الأسوة، ص: 161. [2] الشوریٰ 42:49،50.

لے اسے کوئی دینے والا نہیں اور وہ جو صنف چاہے، اسے پیدا کرنے والا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا﴾ یعنی جسے چاہے صرف بیٹیاں عطا کرتا ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوط علیہ السلام انھی افراد میں سے تھے۔

﴿وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝﴾ ”اور جسے چاہے صرف بیٹے عطا کرتا ہے۔“

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام تھے کہ ان کے ہاں کوئی بیٹی پیدا نہیں ہوئی: ﴿اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا﴾ ”یا جسے چاہے بیٹے اور بیٹیاں ملے جلے عطا فرماتا ہے۔“

امام بغوی فرماتے ہیں جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

﴿وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا﴾ ”اور جسے چاہتا ہے اولاد سے محروم رکھتا ہے۔“

جیسا کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تھے۔

گویا رب العزت نے لوگوں کو اولاد کے معاملے میں چار اقسام میں منقسم کردیا۔

① ایک طبقہ وہ جسے صرف بیٹیاں دیں۔

② ایک گروہ جسے صرف بیٹے دیے۔

③ کچھ لوگوں کو بیٹے بھی دیے اور بیٹیاں بھی عطا فرمائیں۔

④ بعض کو بے اولاد رکھا، بیٹے دیے نہ بیٹیاں بلکہ ان کی نسل ہی منقطع کردی۔

﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌ﴾ یعنی عالم الغیب ہی جانتا ہے کہ کون شخص اولاد کی ان اقسام میں سے کس قسم کا مستحق ہے۔

[1] تفسیر البغوی: 4/153,152.

﴿قَدِيْرٌ○﴾ یعنی لوگوں کو مختلف قسموں میں تقسیم کرنا اس کی قدرت کا مظہر ہے۔ وہ اپنی مرضی سے لوگوں کو مختلف انواع میں تقسیم فرماتا ہے۔[1] ﴿قَدِيْرٌ○﴾ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، وہ اپنے علم اور مہارت کے ذریعے سے تمام اشیاء میں اور اپنی قدرت کے ذریعے سے تمام مخلوقات میں تصرف کرتا ہے۔[2]

آیت مذکور میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مردوں سے مقدم رکھا ہے، اس کی توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لڑکیوں کی شرح پیدائش کیونکہ لڑکوں سے زیادہ ہے، اس لیے ان کے ذکر کو مقدم کیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لڑکیوں کے والدین کی دلی تسکین اور اطمینان کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی اقوال منقول ہیں۔ لفظ ﴿الذُّكُوْرَ﴾ کو معرفہ لایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایسا مردوں کے عورتوں پر شرف کے اظہار کے لیے کیا گیا ہے۔[3]

امام بغوی رحمہ اللہ نے بطور مثال ہر قسم کے ایک ایک فرد کا ذکر کیا ہے ورنہ یہ قانون تو تمام انسانیت پر محیط ہے اور مختلف لوگوں کو مذکورہ عطیات، یعنی اولاد میں سے کوئی نہ کوئی عطیہ ملتا ہے۔

63

جھگڑتے وقت عورت بات واضح کرنے سے قاصر ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] المصباح المنير، ص: 1239. [2] تفسير السعدي، ص: 762. [3] حسن الأسوة، ص: 161.

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ○ اَوَ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ○﴾

’’اور جب ان میں سے کسی کو اس (بیٹی پیدا ہونے) کی بشارت دی جاتی ہے جس کی اس نے رحمٰن کے لیے مثال بیان کی تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے جبکہ وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔ کیا (وہ اللہ کی اولاد ہے؟) جس کی زیور میں پرورش کی جاتی ہے اور وہ جھگڑے میں اپنی بات واضح نہیں کر پاتی۔‘‘[1]

درج بالا آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ عورت اپنے وصف، اپنی منطق اور اپنے بیان کے اعتبار سے ناقص ہے۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو اللہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ (فرشتے) اس کی بیٹیاں ہیں۔ اگر خود ان کے ہاں بیٹی پیدا ہوجاتی ہے تو وہ شدید ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے ناک چڑھاتے ہیں اور ان کے چہروں پر بیٹی کی بشارت پر سیاہی چھا جاتی ہے۔ اور اس خجالت اور شرمندگی کے باعث کہ اس کے گھر بیٹی ہوئی ہے، وہ لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (نادانو! عقل کے ناخن لو) جس بات سے تم خود اس قدر شرماتے اور نفرت کا اظہار کرتے ہو، اسے اللہ کی طرف کس طرح منسوب کرتے ہو؟ (تمھیں ذرا حیا نہیں آتی)، پھر ارشاد فرمایا: ﴿اَوَ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ○﴾ یعنی عورت ناقص ہے اور ایام طفولیت ہی سے اس کا نقص زیور سے پورا ہوتا ہے۔ جب وہ مخاصمت کرتی ہے تو اپنا مافی الضمیر بھی اچھی طرح بیان نہیں کرسکتی بلکہ اپنی مراد بیان کرنے سے عاجز ہے۔ جس کی یہ حالت ہو، بھلا اسے اللہ کی طرف کیونکر منسوب کیا جاسکتا ہے جو نہایت عظمت والا ہے۔

[1] الزخرف 43: 18,17.

پس عورت ظاہر و باطن، سیرت وصورت اور معنوی لحاظ سے ناقص ہے۔ اس کا ظاہری اور صورتی نقص زیور وغیرہ پہننے سے دور ہوتا ہے۔ وہ اپنی اس کمی کو دور کرنے کے لیے آرائش کرتی ہے۔ اس کا معنوی نقص یہ ہے کہ وہ جھگڑے کے وقت صحیح طور پر اپنا بدلہ بھی نہیں لے سکتی بلکہ اس معاملے میں کمزور ہے۔ اس کے پاس قوت بیان ہوتی ہے، نہ بدلہ لینے کی ہمت و طاقت جیسا کہ کسی عرب نے، جب اسے بیٹی پیدا ہونے کی اطلاع دی گئی تو کہا تھا: یہ کوئی اچھی اولاد نہیں (اگر اس سے مدد مانگی جائے تو) اس کی مدد صرف رونا ہے (اور اس سے نیکی کا مطالبہ کیا جائے تو) چوری اس کی نیکی ہے، یعنی کما تو سکتی نہیں چوری کر کے ہی مدد کرے گی۔[1]

اس آیت میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ عورت از خود اپنے امور کی نگرانی سے عاجز ہے اور مقابلہ ومخاصمت کے وقت وہ مدمقابل کا صحیح جواب بھی نہیں دے سکتی۔ اپنی دلیل صحیح طور پر پیش نہیں کر سکتی، اپنا دعویٰ ثابت کرنے میں کمزور ہے، مدمقابل کے دلائل کا صحیح توڑ کرنے کی بھی اس میں صلاحیت نہیں۔ یہ سب کچھ اس کی عقل کے ناقص اور اس کی رائے کے کمزور ہونے کی دلیل ہے۔[2]

64

عورتیں جنت میں اپنے خاوندوں کے ساتھ ہوں گی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] المصباح المنیر، ص: 1243. [2] حسن الأسوة، ص: 163.

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝﴾

”جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لائے اور وہ فرماں بردار تھے۔ تم جنت میں داخل ہو جاؤ، تمھیں اور تمھاری بیویوں کو خوش کر دیا جائے گا۔“[1]

درج بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت میں سے متقین کی جزا اور بدلے کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت مومنوں کو آواز دے گا تو ان کے دل باغ باغ ہو جائیں گے اور ان کے سارے مصائب و آلام کافور ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ منادی فرمائے گا:

﴿یٰعِبَادِ لَاخَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝﴾

”(انھیں کہا جائے گا:) اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے۔“[2]

یعنی پیش آمدہ مسائل اور مشکلات میں تمھیں کسی قسم کا خوف لاحق نہیں ہوگا، نہ ماضی پر کسی قسم کی ندامت اور حزن و ملال ہوگا۔ جب ہر ناپسندیدہ چیز سے چھٹکارا مل جائے گا، تمام خدشات نابود ہو جائیں گے اور ان کے لیے ان کی محبوب و مطلوب چیز کا حصول یقینی ہو جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝﴾ یعنی ان کی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کی آیات پر ایمان لاتے ہیں اور اس ایمان میں ان آیات کی تصدیق بھی شامل ہے اور ان کے معانی و مفاہیم جاننا بھی جس کے بغیر تصدیق مکمل نہیں

[1] الزخرف 43 : 70,69. [2] الزخرف 43 : 68.

ہوسکتی، پھر ان کے مطابق عمل کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ ﴿ وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾ اور وہ تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنے والے ہیں، پس انھوں نے ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے اعمال صالحہ سے اپنے آپ کو متصف و مزین کرلیا۔[1] لہٰذا انھیں کہا جائے گا: ﴿ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ ﴾ یعنی تم اور جو بھی تمھاری طرح ہیں۔[2] جنھوں نے بیوی، بچوں اور دوستوں وغیرہ میں سے تمھارے جیسے اعمال کیے ہیں، وہ سب تمھارے ساتھ ہوں گے۔[3]

مزید فرمایا: ﴿ تُحْبَرُوْنَ ۝ ﴾ یعنی تم نازونعمت میں نہایت باعزت طریقے سے رہو گے اور تم پر تمھارے رب کا فضل اور خیرات و برکات ہوں گی اور تم طرب وسرور اور ایسی بے مثل لذتوں سے مستفید ہو گے جن کی صفات کی تعبیر کرنے سے انسانی زبانیں عاجز ہیں۔[4]

65

رضاعت کی مدت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ﴾

"اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، اس کی

[1] تفسير السعدي، ص: 906. [2] المصباح المنير، ص: 1251. [3] تفسير السعدي، ص: 906. [4] تفسير السعدي، ص: 906.

ماں نے اسے تکلیف سے پیٹ میں اٹھائے رکھا اور تکلیف سے جنا اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ (کی مدت) ہے۔"[1]

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان پر شفقت کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر لطف وکرم اور والدین کی توقیر و تکریم ہے کہ اس نے اولاد کو حکم دیا اور اسے اس امر کا پابند کیا کہ وہ اپنے والدین سے نرمی اور نوازش سے بات کریں۔ مال و نفقہ اور دیگر طریقوں سے ان سے بہترین سلوک کریں، پھر اس سلوک کے سبب کی طرف بھی اشارہ کیا، وہ یہ کہ ماں اپنے بچے کو پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے، حمل کے دوران تکالیف برداشت کرتی ہے، پھر ولادت کے وقت بہت بڑی مشقت کا سامنا کرتی ہے، پھر رضاعت اور پرورش کی تکالیف برداشت کرتی ہے، مذکورہ مشقت ومحن تھوڑی دیر کے لیے نہیں ہوتی بلکہ وہ طویل مدت ہے جس کا دورانیہ تقریباً تیس ماہ ہے۔ جن میں سے نو ماہ حمل اور باقی رضاعت کے دن ہیں، یہ ایک عمومی اندازہ ہے۔ اس میں کمی بیشی کا امکان بھی ہے۔[2]

مذکورہ بالا آیت اور ﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ﴾ "اور مائیں اپنی اولاد کو مکمل دو سال تک دودھ پلائیں۔"[3]

ان دونوں آیات کو ملا کر یہ استدلال کیا گیا ہے کہ کم سے کم مدت حمل چھ ماہ ہے کیونکہ مدت رضاعت دو سال ہے۔ اور تیس مہینوں سے دو سال نکال دیے جائیں تو چھ ماہ رہ جاتے ہیں جو کم سے کم مدت حمل ہے۔[4]

[1] الأحقاف 46 : 15. [2] تفسير السعدي، ص: 921. [3] البقرة 2:233. [4] تفسير السعدي، ص: 921.

یہ استنباط سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا ہے، انھوں نے فرمایا کہ کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ ان کا یہ استنباط نہایت قوی اور درست ہے، سیدنا عثمان اور دیگر کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ان کی موافقت کی ہے اور ان کا استنباط درست قرار دیا ہے۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا: ''جب عورت کا وضع حمل نو ماہ بعد ہو تو اس کے لیے اکیس ماہ دودھ پلانا کافی ہوگا۔ اور اگر وضع حمل سات ماہ بعد ہو تو تیئس (23) ماہ دودھ پلانا کفایت کر جائے گا، چھ ماہ بعد وضع حمل ہو جائے تو مکمل دو سال دودھ پلانا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ ۔''[2]

66

والدین سے بدسلوکی کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝﴾

''اور جس نے اپنے والدین سے کہا: تم دونوں پر اُف (افسوس) ہے! کیا تم

[1] المصباح المنير، ص 1219. [2] السنن الكبرى للبيهقي: 422/7، والمصباح المنير، ص: 1269.

دونوں مجھے وعدہ دیتے ہو کہ مجھے (قبر سے) نکالا جائے گا، حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں جبکہ وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے (اور کہتے) ہیں: تو ہلاک ہو جائے! ایمان لے آ، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، تب وہ کہتا ہے: یہ تو بس اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے اس صالح شخص کا حال بیان کرنے کے بعد جو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے، اس آدمی کا حال بیان کیا ہے جو اپنے والدین کا نافرمان ہے۔ اس سلسلے میں فرمایا کہ یہ بدترین حال ہے، پس جب انھوں نے اسے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور اسے بداعمالیوں کی سزا سے ڈرایا، اور یہ والدین کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ اولاد کو ایسے امور کی طرف دعوت دیں جن میں ابدی سعادت اور ہمیشہ کی فلاح و کامیابی مضمر ہو تو وہ بدترین طریقے سے والدین سے پیش آیا اور اس نے کہا: ستیاناس ہو تمھارا (اور) تمھاری دعوت کا![2]

پھر اس نے اپنے انکار اور اس بات کا ذکر کیا جسے وہ محال سمجھتا تھا اور کہا: ﴿اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ﴾ کیا تم مجھے بتاتے ہو کہ قیامت کے دن مجھے میری قبر سے نکالا جائے گا ﴿وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ﴾ حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سے لوگ گزر چکے جو کفر اور تکذیب کی راہ پر گامزن تھے اور ہر کافر، جاہل اور معاند حق و صداقت کا رہبر اور مقتدیٰ تھا۔[3]

اس کی اس قدر سرکشی اور نافرمانی کے باوجود والدین اس کے لیے اللہ

[1] الأحقاف 17:46. [2] تفسير السعدي، ص: 921. [3] تفسير السعدي، ص: 921.

تعالیٰ سے راہ ہدایت کی دعا کررہے تھے اور اسے دعوت دے رہے تھے: ﴿وَيْلَكَ آمِنْ﴾ ''تو ہلاک ہو! ایمان لے آ۔'' اور اس کے روبرو اللہ کے وعدے کی سچائی بیان کررہے تھے کہ وہ فرماں برداروں کو بہترین بدلہ دے گا اور نافرمانوں کے لیے اس کے عقاب وعذاب کا وعدہ برحق ہے۔ ان کا بیٹا اس کے باوجود حق سے سرکشی، تمرد، نفرت اور تکبر ہی کیے جارہا تھا۔ یہ آیت ہر اس شخص کے لیے ہے جو ایسی دعوت دے اور جس شخص نے کہا ہے کہ یہ آیت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اس کا یہ قول ضعیف اور مردود ہے کیونکہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ تو مسلمان ہوگئے تھے اوران کا اسلام خوب تھا اور وہ اپنے زمانے کے معتبر اور اچھے لوگوں میں سے تھے۔[1]

جب مروان بن معاویہ نے کہا: یہ آیت سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پردے کے پیچھے سے اس کی تردید کی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سوائے میری براءت کے ہمارے بارے میں (خصوصی طور پر) کچھ نازل نہیں کیا۔[2]

درست بات یہی ہے کہ اس آیت سے مراد کوئی مخصوص و معین فرد نہیں ہے بلکہ اس کے ضمن میں ہر وہ شخص آتا ہے جو ایسی صفات کا حامل ہے، یعنی ہر وہ شخص جسے اس کے والدین صحیح دین کی دعوت اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی ترغیب دیں اور وہ انکار کرے اور تمرد وسرکشی کا راستہ اختیار کرے۔[3]

① المصباح المنير، ص: 1270. ② المصباح المنير، ص: 1270. ③ حسن الأسوة، ص: 164.

67

خواتین کو ایک دوسرے کا مذاق اڑانے کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا نِسَآءٌ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾

''اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ہوسکتا ہے کہ وہ (عورتیں) ان سے بہتر ہوں۔''[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ مذاق کرنے، ان کا تمسخر اڑانے اور انھیں حقیر سمجھنے سے منع فرماتا ہے۔ اور ایسا کرنا حرام ہے، اس لیے کہ جس کی تحقیر کی جارہی ہوتی ہے، بسا اوقات وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ قدرومنزلت والا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حقیر سمجھا جانے والا شخص، تمسخر اڑانے والے کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہو۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ»

''تکبر حق بات کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔''[3]

① الحجرات 11:49. ② المصباح المنير، ص: 1303. ③ صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم الكبر و بيانه، حديث: 91.

حدیث میں مذکور لفظ ''غمط'' کا مطلب لوگوں کو گھٹیا، کم تر اور اپنے آپ کو بڑا اور بالاتر سمجھنا ہے۔ مردوں کے لیے ایک دوسرے کا تمسخر اڑانے کی نہی پر نص ہے اور عورتوں کی نہی کو مردوں کے بارے وارد نہی پر عطف کیا ہے۔[1] اور فرمایا ﴿وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ﴾ اور عورتیں بھی عورتوں سے تمسخر نہ کریں۔ گویا استہزا اور تمسخر دونوں کی ممانعت ہے، یعنی ہر قسم کی گفتگو اور قول وفعل کے ذریعے سے کسی کا تمسخر اڑانا جس سے کسی مسلمان کی تحقیر ہوتی ہو قطعاً حرام اور ممنوع ہے۔ اور یہ چیز تمسخر اڑانے والے کی خود پسندی کی دلیل ہے۔ ہوسکتا ہے جس کا تمسخر اڑایا جارہا ہو، وہ تمسخر اڑانے والے سے بہتر انسان ہو اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کیونکہ تمسخر صرف وہی شخص کرتا ہے جس کا دل اخلاق بد سے لبریز ہو جو ہر قسم کے اخلاق مذمومہ کا حامل اور اخلاق کریمہ سے بالکل خالی ہو۔[2] اور اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ یَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ»

''کسی آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔''[3]

عموماً احکام میں عورتیں مردوں کے تابع ہیں۔ یہاں الگ عورتوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ وہ مردوں کی نسبت ایک دوسرے کا زیادہ تمسخر اڑاتی ہیں۔[4]

[1] المصباح المنیر، ص: 1303. [2] تفسیر السعدي، ص: 945. [3] صحیح مسلم، البروالصلة، باب تحریم ظلم المسلم وخذله واحتقاره...... حدیث: 2564، وجامع الترمذي، البروالصلة، باب ماجاء في شفقة المسلم على المسلم، حدیث: 1927. [4] فتح القدیر: 79/5.

68

فضیلت کی بنیاد تقویٰ ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے، بلاشبہ اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے بنی نوع انسان کو ایک ہی اصل اور جنس سے پیدا کیا ہے۔ تمام بنی آدم کو مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور وہ تمام خواتین وحضرات آدم اور حواء علیہما السلام ہی کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی نسل سے بے شمار مردوں اور عورتوں کو پھیلایا، پھر انھیں قبیلوں اور گروہوں میں تقسیم کیا، یعنی چھوٹے بڑے قبیلوں میں تاکہ وہ ایک دوسرے کی پہچان رکھیں کیونکہ اگر ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت قائم

[1] الحجرات 13:49.

رکھے تو وہ تعارف حاصل نہیں ہوسکتا جس پر باہمی تعاون اور عزیز و اقارب کے حقوق کے قیام کا دارومدار ہے۔ یہ تقسیم صرف تعارف اور ایک دوسرے سے تعاون کے لیے ہے لیکن عزت کا معیار اللہ کے ہاں تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے اور یہ وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ اللہ کی اطاعت کرنے والا اور معصیت سے باز رہنے والا ہے۔ اللہ کے حضور عزت و احترام کے معاملے میں کنبہ وقبیلہ اور حسب ونسب کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور کون صرف ظاہر میں ڈرتا ہے، باطن میں نہیں ڈرتا، پس وہ ہر ایک کو ایسی جزا دے گا جس کا وہ مستحق ہے۔[1]

پس عزت و فضیلت کی بنیاد تقویٰ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھاری قدر ومنزلت کا تفاوت تقویٰ کی بنا پر ہے حسب ونسب کی بنا پر نہیں ہے۔[2]

جو شخص اپنے آپ کو تقویٰ کے پاکیزہ لباس سے مزین کر لیتا ہے، وہ اس شخص سے زیادہ عزت وتوقیر کا مستحق ہے جو تقویٰ کے لباس سے عاری ہے، لہٰذا حسب ونسب کی بنا پر باہمی فخر وغرور ترک کردو کیونکہ یہ باعث عزت نہیں، نہ اس سے شرف و فضل ثابت ہوتا ہے۔[3]

عزت وفضیلت تقویٰ کی بنا پر ہے جیسا کہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ ان میں سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان عالی شان بھی ہے:

[1] تفسير السعدي، ص: 946. [2] المصباح المنير، ص: 1305. [3] حسن الأسوة، ص: 167.

«إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ»

’’یقیناً اللہ تعالیٰ تمھاری صورتیں اور مال نہیں دیکھتا، وہ تو تمھارے دل اور اعمال دیکھتا ہے۔‘‘[1]

اور آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون لوگ اللہ کے ہاں زیادہ معزز ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاهُمْ»

’’جو شخص جتنا زیادہ متقی ہے، اللہ کے ہاں اتنا ہی زیادہ معزز ہے۔‘‘[2]

69

ظہار اور اس کا کفارہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ○ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا اڿ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ○ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم و خذله واحتقاره، حديث: 2564.
[2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ ......﴾، حديث: 4689.

يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ﴾

''(اے نبی!) اللہ نے اس عورت (خولہ بنت ثعلبہ) کی بات سن لی جو اپنے خاوند (اوس بن صامت) کے متعلق آپ سے جھگڑ رہی تھی اور وہ اللہ سے شکوہ کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ''ظِھَار'' کرتے ہیں، وہ ان کی مائیں نہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے انھیں جنا اور بے شک وہ ناگوار بات اور جھوٹ کہتے ہیں اور بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں، پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو ایک گردن آزاد کرنی ہے، اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، اس (حکم) کی تمھیں نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ (اس سے) باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ پھر جو شخص نہ پائے (غلام) تو دو ماہ کے لگا تار روزے (رکھنے) ہیں، اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، پھر جو شخص ہمت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا ہے۔''[1]

یہ آیات کریمہ انصار کے ایک فرد کے بارے میں نازل ہوئیں جب اس نے اپنی بیوی کو طویل رفاقت اور اولاد ہونے کے بعد اپنے آپ پر حرام قرار دے لیا تو اس کی

[1] المجادلة 58:1-4.

بیوی نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے حرمان نصیبی اور مصیبت کا شکوہ کیا اور شوہر کے خلاف مقدمہ لے کر عدالت نبوی میں حاضر ہوئی۔ اس کا شوہر بوڑھا شخص تھا، اس خاتون نے اپنی حالت اور شوہر کی حالت کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے شکوہ کیا اور بار بار کیا اور بڑی جرأت سے اس مقدمے کا اعادہ کیا۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں بڑی بابرکت ذات ہے باری تعالیٰ کی جس کی سماعت نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔میں سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو سن رہی تھی جب وہ اپنے خاوند کی شکایت دربار رسالت مآب میں بیان کر رہی تھی۔لیکن اس کی گفتگو اس قدر دھیمی تھی کہ قریب ہونے کے باوجود کئی باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ وہ کہہ رہی تھی، اللہ کے رسول ﷺ! وہ میرا مال کھا گیا، اس نے میری جوانی برباد کردی۔ میں نے اس کے لیے اپنا پیٹ (بچے پیدا کر کے) خالی کر دیا۔ اب جب میں بوڑھی اور بانجھ ہوگئی تو اس نے مجھ سے ظہار کرلیا۔ (یہ کہہ دیا کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ طلاق شمار ہوتی تھی۔) اے باری تعالیٰ میں تجھ سے شکایت کرتی ہوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابھی وہ وہیں تھی کہ جبرائیل امین ان آیات کی وحی لے کر نازل ہوئے: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا ......﴾ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس کے شوہر کا نام اوس بن صامت رضی اللہ عنہ تھا۔[2]

مسند احمد میں خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! سورۂ مجادلہ کا ابتدائیہ میرے اور اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوا۔ وہ بیان

[1] تفسير السعدي، ص: 995. [2] تفسير الطبري: 12/3.

کرتی ہیں: میں ان کے نکاح میں تھی، وہ بوڑھے ہوگئے، (جس کی وجہ سے) ان کے اخلاق میں بگاڑ پیدا ہوگیا۔ وہ فرماتی ہیں: ایک روز وہ تشریف لائے، میں نے کسی بات پر انھیں جواب دیا تو گرمی سردی اور تُو تکار ہوگئی۔ انھیں غصہ آگیا۔ انھوں نے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے، یعنی حرام ہے (حالانکہ وہ مجھے دل سے چاہتے تھے) تب انھوں نے مجھے (اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے) اپنے پاس بلایا۔ وہ فرماتی ہیں: میں نے کہا: ہرگز نہیں! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خویلہ کی جان ہے! اب آپ اپنی بات (ظہار) کی وجہ سے اس وقت تک میرے قریب نہیں آسکتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہمارے بارے میں کوئی فیصلہ کردیں۔[1]

پھر وہ اپنے گھر سے نکلیں۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئیں اور سارا ماجرا سنایا، پھر یہ سارا واقعہ ہوا جس کا ذکر سطور بالا میں گزر چکا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ﴾ ''جو لوگ تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھتے ہیں۔'' اس میں ظہار ''ظَهْرٌ'' سے ماخوذ ہے، اس لیے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرتا تھا تو وہ اس سے کہتا تھا: ''أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي'' ''تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔''

زمانۂ جاہلیت میں ظہار طلاق شمار ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمد ﷺ پر خصوصی رحمت فرمائی، اس معاملے میں کفارہ جاری فرمادیا اور اسے طلاق شمار نہیں کیا جیسا کہ جاہلیت میں اسے طلاق شمار کیا جاتا تھا۔[2]

[1] مسند أحمد: 410/6. [2] المصباح المنير، ص:1373.

اور یہ جو ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا﴾ ''اور جو اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں، پھر انھوں نے جو کہا، اس سے رجوع کرلیں۔'' اس میں رجوع کرنے کے معنی و مفہوم میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ رجوع کا مطلب یہ ہے کہ جس عورت سے ظہار کیا تھا، اس سے جماع کا عزم کرلے تو یہ مجرد عزم ہی رجوع شمار ہوگا کیونکہ مجرد عزم کرنے والے پر مذکورہ کفارہ واجب ہوجاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفارہ بیوی کو چھونے سے پہلے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ صرف عزم ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کے معنی حقیقی جماع کے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا﴾ ''پھر وہ اپنی بات سے رجوع کرلیں۔'' اور جو بات انھوں نے کہی، وہ درحقیقت جماع (کو اپنے اوپر حرام کرنا) ہے۔ بہرحال دونوں اقوال میں سے ہر ایک کے مطابق جب بھی رجوع کیا جائے گا تو بیوی کو اپنے اوپر حرام کرلینے کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ اور وہ کفارہ ہے: ایک ایسے غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا جو مومن ہو اور ان عیوب سے سلامت ہو جو کام کرنے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا﴾ ''اس سے پہلے کہ وہ دونوں ہم بستری کریں۔'' یعنی ظہار کرنے والے شوہر پر لازم ہے کہ غلام یا لونڈی کی آزادی کی شکل میں کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی سے جماع نہ کرے۔ ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یعنی یہ حکم جو ہم نے تمھارے لیے دیا ہے ﴿تُوْعَظُوْنَ بِهٖ﴾ اس کی تمھیں نصیحت کی جاتی ہے، یعنی وہ تمھارے لیے ترہیبی حکم بیان کرتا ہے کیونکہ وعظ کے معنی ہی ترغیب و ترہیب سے حکم بیان کرنا ہے،

پس جو شخص ظہار کا ارادہ کرتا ہے تو اسے یاد آجاتا ہے کہ اگر اس نے ایسا کیا تو اسے ایک غلام آزاد کرنا پڑے گا، چنانچہ وہ اپنے ارادے سے باز آجاتا ہے۔[1]

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ تمھارے عملوں سے پوری طرح باخبر ہے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز تمھارے لیے موزوں ہے، اس سے پوری طرح باخبر ہے اور ساتھ ساتھ اسے تمھارے احوال کا بھی بخوبی علم ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ پس جس کے پاس آزاد کرنے کے لیے غلام نہ ہو یا اس کے پاس غلام کی قیمت نہ ہو کہ خرید کر آزاد کر سکے تو اس کے ذمے دو ماہ کے متواتر روزے ہیں۔ درمیان میں کوئی روزہ نہ چھوڑے۔ اگر اس نے کوئی روزہ بغیر عذر کے افطار کر لیا تو اسے نئے سرے سے دوبارہ دو ماہ کی گنتی پوری کرنی ہوگی۔ اور اگر کسی شرعی عذر، بیماری یا سفر وغیرہ کی وجہ سے کسی دن کوئی درمیانی روزہ افطار کر لیا تو پہلی تعداد کو بنیاد بناتے ہوئے باقی ایام کے روزے پورے کرنے ہوں گے، یعنی اسے نئے سرے سے روزے شروع کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر اس دوران میں اس نے بھول کر یا عمداً دن یا رات کے کسی حصے میں بیوی سے جماع کر لیا تو اسے نئے سرے سے کفارے کے روزے رکھنے پڑیں گے۔[3]

اور جس میں روزے رکھنے کی استطاعت نہ ہو تو وہ اپنے شہر کی مروجہ خوراک کے مطابق ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے جو انھیں کافی ہو جائے یا پھر ہر ایک مسکین کو ایک مد گیہوں دے دے یا دیگر اجناس میں سے دینا چاہے تو ہر مسکین کو نصف

[1] تفسير السعدي، ص: 996. [2] المصباح المنير، ص: 1374. [3] حسن الأسوة، ص:171.

صاع دے۔[1]

آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اتنا کھلائے کہ وہ ایک دفعہ سیر ہو جائیں یا اتنا دے دے جو ایک دفعہ ان کی بھوک ختم کر دے۔ ضروری نہیں ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو اکٹھا ہی کھلائے بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ اکٹھا کھلا دے یا وقفے سے کھلائے، مثلاً: تیس مسکینوں کو ایک دن کھلا دے اور تیس دیگر مسکینوں کو کسی اور دن کھلا دے۔[2]

ان آیات میں متعدد احکام بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

① اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف و کرم ہے کہ اس نے مصیبت زدہ عورت کی شکایت کا تذکرہ فرما کر نہ صرف اس کی مصیبت کا ازالہ کیا بلکہ اپنے حکم عام کے ذریعے سے ایسی مصیبت میں مبتلا ہونے والے ہر شخص کی مصیبت رفع کر دی۔

② ظہار بیوی کو حرام ٹھہرانے کے ساتھ مختص ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مِّنْ نِّسَآئِهِمْ﴾ اپنی عورتوں میں سے اگر وہ اپنی لونڈی کو اپنے اوپر حرام ٹھہراتا ہے تو یہ ظہار شمار نہ ہوگا بلکہ یہ عمل ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص اپنے اوپر کھانے پینے کی کوئی پاکیزہ چیز حرام ٹھہرا لے۔ اس میں صرف قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔

③ کسی عورت سے نکاح کرنے سے پہلے اس سے ظہار درست نہیں کیونکہ ظہار کے وقت وہ اس کی بیویوں میں داخل نہیں ہے جیسا کہ کوئی شخص نکاح سے قبل ہی کسی عورت کو طلاق دے دے تو وہ معتبر نہیں یا یہ کہے کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اسے طلاق ہے تو یہ طلاق نہیں ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح نکاح سے قبل ظہار بھی

[1] تفسير السعدي، ص: 844. [2] حسن الأسوة، ص:171.

معتبر نہیں ہوگا۔

④ ظہار حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے منکر کہا ہے۔

⑤ ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقصد اور اس کی حکمت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ مَّا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ ﴾ ''وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔''

⑥ ان آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کو محارم کے نام سے پکارنا مکروہ ہے، مثلاً: اے میری ماں! اے میری بہن! وغیرہ کیونکہ یہ بات محرمات سے مشابہت رکھتی ہے۔

⑦ کفارہ مجرد ظہار سے واجب نہیں ہوتا بلکہ سابقہ دونوں اقوال کے اختلاف کے مطابق ظہار کرنے والے کے رجوع سے ثابت ہوتا ہے۔

⑧ چھوٹے یا بڑے غلام یا لونڈی کو آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہوجاتا ہے کیونکہ آیت میں مطلق رقبہ (گردن) آزاد کرنے کا حکم ہے۔

⑨ اگر کفارہ غلام آزاد کرنے یا روزے رکھنے کی صورت میں ادا کرنا ہو تو جماع سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مقید ذکر کیا ہے (اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کے دوران میں جماع صراحتاً منع نہیں ہے)۔

⑩ جماع سے پہلے کفارہ ادا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اس سے ادائے کفارہ کی زیادہ ترغیب ملتی ہے کیونکہ جماع کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے تو وہ کفارہ ادا کرنے میں جلدی کرتا ہے۔[1]

[1] تفسير السعدي، ص: 996.

70

مہاجر عورتوں سے امتحان اور ان سے نکاح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَآتُوهُم مَّا أَنفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنفَقُوا ۚ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○ وَإِن فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُم مِّثْلَ مَا أَنفَقُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ○ ﴾

''اے ایمان والو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم انھیں مومن جانو تو انھیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ، نہ وہ (عورتیں) ان (کفار) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان (عورتوں) کے لیے حلال ہیں اور تم ان (کفار) کو دے دو جو (مہر) انھوں نے خرچ کیا اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو جب تم انھیں ان کے مہر دے دو اور تم کافر عورتوں کی عصمتیں قبضے میں نہ رکھو

اور مانگ لو جو (مہر) تم نے خرچ کیا اور چاہیے کہ وہ (کفار) بھی مانگ لیں جو (مہر) انھوں نے خرچ کیا، یہ اللہ کا حکم (فیصلہ) ہے، وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے اور اگر کوئی تمھاری بیویاں تم سے کفار کی طرف چلی جائیں، پھر تم (کفار سے) لڑو (اور غنیمت ہاتھ لگے) تو جن کی بیویاں چلی گئیں، انھیں اس (مہر) کے برابر دے دو جو انھوں نے خرچ کیا اور تم اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔"[1]

ان آیات کی شان نزول یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ سے اس شرط پر معاہدہ کیا کہ کفار میں سے جو کوئی مسلمان ہوکر مسلمانوں کے پاس (مدینہ) جائے گا، وہ مشرکین کو واپس کردیا جائے گا، یہ عام اور مطلق لفظ تھا جس میں مرد اور عورتیں سبھی شامل تھے۔ مردوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ایفائے شرط اور معاہدۂ صلح پورا کرنے کے لیے کفار کی طرف لوٹانے سے اپنے رسول ﷺ کو منع نہیں کیا جو سب سے بڑی مصلحت تھی۔ رہی عورتیں تو انھیں لوٹانے میں بہت سے مفاسد تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ جب مومن عورتیں تمھارے پاس ہجرت کرکے آئیں اور تمھیں ان کے ایمان کی صداقت میں شک ہو تو کسی مناسب طریقے سے ان کی جانچ پڑتال کرلیا کرو تاکہ ان کے ایمان کی صداقت ظاہر ہوجائے۔[2]

اگر ان کے ایمان کی صداقت ظاہر ہوجائے تو انھیں کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ۔ نہ یہ ان کے لیے اور نہ وہ کافر ان کے لیے حلال ہیں۔

[1] الممتحنة 11,10:60. [2] تفسر السعدي، ص: 1011.

امام زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ آیات حدیبیہ کے زیریں علاقے میں اس وقت نازل ہوئیں جب آپ ﷺ نے مشرکین مکہ سے اس شرط پر صلح کا معاہدہ کیا کہ جو مشرک مسلمان ہوکر مدینہ آئے گا، اسے مشرکین ہی کے حوالے کردیا جائے۔ جب (دوران معاہدہ یا تکمیل معاہدہ کے بعد) عورتیں آئیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے خاوندوں کو ان کے حق مہر واپس کردو۔ اور مشرکین کو بھی حکم دیا کہ اگر کوئی مسلمان خاتون ان کے پاس چلی جاتی ہے تو وہ بھی اس خاتون کے شوہر کو اس کا حق مہر ادا کریں۔[1]

کہا گیا ہے کہ یہ آیت سنت کی تخصیص کرتی ہے اور یہ اس باب کی بڑی عمدہ مثال ہے کہ بسا اوقات آیت سے بھی سنت کی تخصیص ہوجاتی ہے۔ بعض سلف اسے ناسخ و منسوخ کے باب سے شمار کرتے ہیں۔[2]

ان ہجرت کرکے آنے والی خواتین کی جانچ پڑتال کا مطلب یہ ہے کہ وہ یقین کامل کے ساتھ اس بات کی گواہی دینے والی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) الٰہ نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔[3]

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے پوچھو کہ وہ کیوں آئی ہیں؟ اگر ان کے آنے کا سبب خاوندوں سے ناراضی یا غصہ وغیرہ ہو اور وہ ایمان نہ لائیں تو انھیں ان کے خاوندوں کی طرف واپس کردو۔[4]

لیکن اگر جانچ پڑتال اور امتحان کے بعد ان کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان

[1] المصباح المنير، ص: 1395. [2] المصباح المنير، ص: 1395. [3] المصباح المنير، ص: 1395. [4] تفسير الطبري: 64/12.

لائیں تو اس صورت میں انھیں ہرگز کافروں کے حوالے نہ کرو کیونکہ ایسا کرنا بہت بڑے مفاسد کا باعث ہے جس کا شارع نے خیال رکھا ہے کہ ﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾ یہی آیت اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان عورتیں کافروں اور مشرکوں کے لیے حلال نہیں ہیں بلکہ ان کا ان کے ساتھ نکاح حرام ہے۔[1]

اس کے باوجود شارع نے صلح کی شرائط کی پاسداری کا خیال رکھا ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ہجرت کرکے آنے والی خواتین کے کافر خاوندوں کو ان کے حق مہر اور دیگر اخراجات واپس کریں تاکہ ان کے نقصان کی تلافی ہو۔ ان کے سابقہ خاوندوں کو حق مہر واپس کرنے کے بعد مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ ان سے نکاح کرلیں، چاہے ان کے کافر خاوند زندہ سلامت موجود ہوں مگر اس میں شرط یہی ہے کہ وہ ان عورتوں کو حق مہر اور دیگر اخراجات ادا کریں۔

جس طرح مسلمان عورت کافر کے لیے حلال نہیں ہے، بعینہ کافر عورت بھی مسلمان مرد کے لیے حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے کفر پر قائم ہے، البتہ کتابیہ عورت، یعنی یہودی یا عیسائی اس امر سے مستثنیٰ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ ''اور تم کافر عورتوں کی ناموس کو قبضے میں نہ رکھو۔'' جب اللہ تعالیٰ نے قدیم نکاح برقرار رکھنے کی اجازت نہیں دی تو نکاح کی ابتدا تو بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہے۔ ﴿وَسْـَٔلُوا مَآ اَنْفَقْتُمْ﴾ ''اور جو تم نے خرچ کیا ہے، ان سے مانگ لو۔'' یعنی اے مومنو! اگر تمھاری بیویاں مرتد ہوکر کافروں کے پاس چلی جائیں تو تم بھی ان کفار سے اپنے خرچ کا مطالبہ کرسکتے ہو۔ جب کفار اپنی ان عورتوں کو دیا ہوا مہر وصول کرسکتے

[1] المصباح المنير، ص: 1394.

ہیں جو مسلمان ہوگئی ہوں تو ٹھیک اسی طرح مسلمان بھی وہ مہر وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں جو ان کی مرتد بیویوں کے ساتھ کفار کے پاس گیا ہے۔[1]

اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ﴾ کے بارے میں امام مجاہد اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ان کافروں کے بارے میں ہے جن سے مسلمانوں کا معاہدہ وغیرہ نہ ہو اور کوئی عورت مرتد ہوکر ان کے پاس چلی جائے اور وہ اس کے خاوند کو کچھ نہ دیں تو جب ان کی کوئی خاتون مسلمانوں کے پاس آجائے تو اس کے کافر خاوند کو بھی کچھ نہ دیا جائے، تاوقتیکہ وہ اس مسلمان کو اس کا حق دیں جس کی بیوی مرتد ہوکر ان کے پاس جاچکی ہے۔

ابن جریر نے امام زہری رحمہ اللہ کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کیا اور اس کی تعمیل میں مشرکین کو وہ تمام اخراجات واپس کیے جو انھوں نے اپنی مسلمان ہونے والی بیویوں پر کیے تھے جبکہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کردیا اور ان کے ذمے مسلمانوں کے جو اموال تھے، جو مرتد عورتیں لے گئی تھیں، واپس نہ کیے۔[2] اس پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے فرمایا: ﴿فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا﴾ ''تو تم (مال غنیمت میں سے) انھیں جن کی بیویاں چلی گئی ہیں، اتنا مال دے دو جتنا انھوں نے خرچ کیا۔'' پس مسلمانوں میں سے جس کی بیوی مرتد ہوکر کافروں کے پاس چلی جائے اور مہر بھی واپس نہ کرے اور نہ وہ کافر اس کا مہر اور دیگر اخراجات واپس کریں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اسے اس کے بدلے میں مال غنیمت میں سے دے دیں جو اس نے خرچ کیا ہے۔[3]

[1] تفسير السعدي، ص: 1011. [2] المصباح المنير، ص: 1395. [3] تفسير السعدي، ص: 1011.

71

عورتوں سے بیعت اور اس کے ارکان

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِىْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ﴾

''اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں (اور) وہ آپ سے (ان امور پر) بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد قتل کریں گی اور نہ بہتان لگائیں گی جو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے گھڑ لیں اور نہ نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت مانگیں۔''[1]

مندرجہ بالا آیت میں عورتوں سے بیعت لیتے وقت جن امور کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں بیعت کے بنیادی ارکان

[1] الممتحنة 12:60.

بتائے گئے ہیں۔

عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں بتایا کہ رسول اکرم ﷺ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں سے مندرجہ بالا آیت کے ذریعے بیعت لیتے تھے۔ عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جو مومن عورت اس شرط کا اقرار کر لیتی، رسول اللہ ﷺ اس سے فرماتے:

«قَدْ بَايَعْتُكِ» كَلَامًا، وَلَا وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ، مَا يُبَايِعُهُنَّ إِلَّا بِقَوْلِهِ: «قَدْ بَايَعْتُكِ عَلٰى ذٰلِكَ»

''میں نے تیری بیعت لے لی۔'' اور ایسا صرف زبان سے فرماتے۔ اللہ کی قسم! آپ کے ہاتھ نے بوقت بیعت کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ آپ صرف اپنی زبان سے اس طرح بیعت لیتے تھے: ''میں نے اس پر تیری بیعت لے لی۔''[1]

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آیت کریمہ میں مذکور شرائط ''عورتوں کی بیعت'' کے نام سے موسوم ہیں جو ان مشترکہ واجبات کی ادائیگی پر بیعت کرتی تھیں جو تمام اوقات میں مردوں اور عورتوں پر واجب ہیں...... اللہ تعالیٰ نبیِ اکرم ﷺ کو جو حکم دیتا، آپ اسے بجا لاتے، لہٰذا جب عورتیں بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوتیں اور ان مذکورہ شرائط کا التزام کرتیں تو آپ ﷺ ان سے بیعت لے لیا کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ ان کی دلجوئی کرتے، ان امور میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے بخشش طلب کرتے جن میں ان سے کوتاہی واقع ہوتی اور انھیں جملہ مومنین میں ان شرائط کے

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿ اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ ﴾، حديث: 4891.

ساتھ شامل فرماتے۔[1]

① وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی بلکہ اکیلے اللہ تعالیٰ ہی کو عبادت کا مستحق سمجھیں گی۔

② وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، یعنی اولاد کے پیدا ہونے کے بعد انھیں قتل یا زندہ درگور کریں گی نہ جنین (پیٹ کے بچے) کو ضائع کریں گی۔

③ وہ چوری نہیں کریں گی۔ اس پر ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی نے عرض کی: اللہ کے رسول! ابو سفیان نہایت کم خرچ دینے والے آدمی ہیں، وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میرے بچوں کو کافی ہو۔ اگر میں اس کے علم میں لائے بغیر کچھ لے لوں تو کوئی گناہ تو نہیں ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خُذِي مِنْ مَّالِهِ بِالْمَعْرُوفِ، مَا يَكْفِيكِ وَيَكْفِي بَنِيكِ»

''دستور کے مطابق جتنا تمھیں اور تمھارے بچوں کو کافی ہو (اس کے علم میں لائے بغیر) لے لو۔''[2]

④ اور وہ زنا نہیں کریں گی جیسا کہ پیشہ ور اور یاری دوستی رکھنے والی خواتین میں یہ فعل عام تھا۔

⑤ وہ کوئی بہتان نہیں لگائیں گی۔ بہتان سے مراد کسی غیر پر افترا پردازی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ (بدکاری کرکے) اپنے خاوندوں کی اولاد میں کسی اور کی اولاد شامل نہیں کریں گی۔[3]

[1] تفسير السعدي، ص: 1011. [2] صحيح البخاري، النفقات، باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغير علمه......، حديث: 5364، و صحيح مسلم، الأقضية، باب قضية هند، حديث: 1714. [3] المصباح المنير، ص: 1396، وتفسير الطبري: 73/12.

⑥ وہ کسی بھی نیک کام میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گی، یعنی آپ انھیں جس بات کا بھی حکم دیں، آپ کی فرماں برداری کریں گی، نافرمانی نہیں کریں گی کیونکہ آپ کا ہر حکم معروف کے مطابق ہی ہوگا۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ نوحہ کرنے، گریبان چاک کرنے، چہرہ نوچنے اور جاہلیت کی صدائیں لگانے کی ممانعت میں آپ ﷺ کے حکم کی پابندی کریں گی۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت: ﴿وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ﴾ کی تفسیر میں مروی ہے کہ یہ ایسی شرط ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف عورتوں ہی سے لگائی ہے۔[1] اور معروف میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، لوگوں سے حسن سلوک اور اللہ تعالیٰ کی منع کردہ اشیاء سے باز رہنا سبھی امور داخل ہیں۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَبَايِعْهُنَّ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان مذکورہ احکام کی تکمیل کا التزام کریں تو ان سے بیعت لیجیے اور ان کی دلجمعی کے لیے ان کی کوتاہی کی اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کیجیے۔ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو بہت کثرت سے بخشنے والا اور گناہ گار تائبین پر احسان فرمانے والا ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز پر سایہ فگن ہے اور اس کا احسان تمام مخلوقات پر چھایا ہوا ہے۔[3]

یہ بیعت کتاب و سنت سے ثابت ہے جس کے لینے کا حکم رسول اللہ ﷺ کو درج بالا آیت میں دیا گیا ہے اور آپ ﷺ نے اپنے طریقے سے اس کی عملی صورت بھی بیان فرمادی، پس آپ نے عورتوں سے بیعت لی جیسا کہ احادیث میں اس کی صراحت

[1] المصباح المنير، ص: 1396، وصحيح البخاري، التفسير، باب ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ﴾، حديث: 4893. [2] حسن الأسوة، ص: 174. [3] تفسير السعدي، ص: 1011.

موجود ہے جن میں سے بعض احادیث مذکورہ آیات کی تفسیر میں گزر چکی ہیں، اس لیے جس نے اس بیعت کا انکار کیا، وہ درحقیقت کتاب وسنت کا منکر ہے۔

72

بعض بیوی بچے دشمن! کیسے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ○﴾

"اے ایمان والو! بے شک تمھاری بیویوں اور تمھاری اولاد میں سے بعض تمھارے دشمن ہیں، لہٰذا تم ان سے بچو۔ اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ خوب بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے۔ بلاشبہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد فتنہ (آزمائش) ہیں اور اللہ ہی کے پاس اجرِ عظیم ہے۔"[1]

مذکورہ دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے دھوکا نہ کھائیں کیونکہ ان میں سے بعض تمھارے دشمن ہیں۔ دشمن وہ ہوتا ہے جو تمھارے خلاف شر اور برائی کا ارادہ رکھتا ہو۔ اور تمھاری ذمے داری یہ ہے کہ ایسے شخص سے بچو جس کی یہ صفات ہوں۔ بیویوں اور اولاد کی محبت انسانی جبلت

[1] التغابن 15,14:64.

اور فطرت میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کی ایسی محبت کے بارے میں نصیحت فرمائی ہے کہ ان کی یہ محبت انھیں بیویوں اور اولاد کے سامنے اس قدر بے بس نہ کر دے کہ وہ ان کے جائز و ناجائز ہر مطالبے تسلیم ہی کرتے چلے جائیں حتی کہ شرعی ممانعت کا بھی پاس لحاظ نہ رکھیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا ہے کہ وہ اس کے اوامر کی تعمیل اور ثواب عظیم کے لیے اس کی رضا مقدم رکھیں جو بلند مطالب اور عالی قدر محبت پر مشتمل ہے اور اس امر کی ترغیب دی ہے کہ وہ آخرت کو ختم ہو جانے والی فانی دنیا پر ترجیح دیں۔

جب ناروا امور میں بیویوں اور اولاد کی اطاعت سے روکا گیا اور ان باتوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے جن میں بندے کے لیے ضرر ہے تو اس سے بیویوں اور اولاد کے بارے میں سختی کا شبہ پیدا ہوتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے بچنے اور ان کے ساتھ عفو و درگزر کا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس میں بہت سے مصالح ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں، چنانچہ فرمایا:

﴿وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○﴾ "اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔" کیونکہ عمل کی جزا اس کی جنس ہی سے ہوتی ہے۔[1]

ان آیات میں بیویوں اور اولاد کے فتنے سے متنبہ کیا گیا ہے کیونکہ وہ دونوں انسان کو عمل صالح سے غافل کر دیتے ہیں۔ اور اپنے دین کے بارے میں ان کے فتنے سے بچنے کی تاکید اس لیے کی کہ وہ دونوں قطع رحمی اور اپنے رب کی معصیت پر

[1] تفسير السعدي، ص: 1023.

ابھارتے ہیں اور انسان چاروناچار ان کی محبت کی وجہ سے ان کی بات ماننے پر مجبور ہوجاتا ہے۔[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ آیت مکہ کے چند افراد کے بارے میں نازل ہوئی جو اسلام لائے، وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن ان کی بیویوں اور اولاد نے انھیں روکے رکھا۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ لوگ خاصا اسلام سیکھ چکے ہیں۔ انھوں نے اپنی بیویوں اور اولاد کو سزا دینا چاہی۔[2] تو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمائی:

﴿وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾ ''اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔'' پس جو کوئی معاف کردے، اللہ تعالیٰ اسے معاف کرتا ہے، جو کوئی درگزر کرے، اللہ تعالیٰ اس سے درگزر کرتا ہے اور جو کوئی بخش دے، اللہ تعالیٰ اسے بخشنے والا ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اس نے بندوں کے لیے اولاد اور مال کو فتنہ، یعنی امتحان اور آزمائش کا سبب بنایا ہے تاکہ وہ جان لے کہ کون اس کی اطاعت کرتا ہے۔[4] اور کون مال اور اولاد کی خاطر اللہ تعالیٰ کی معصیت کرتا ہے۔ (اور فرماں برداری کرنے والوں کے لیے) اللہ کے پاس روز قیامت بہت بڑا اجر، لامتناہی ثواب اور بدلہ ہے۔

[1] المصباح المنير، ص: 1412. [2] المصباح المنير، ص: 1412. [3] تفسير السعدي، ص: 1023. [4] المصباح المنير، ص: 1412.

73

آغازِ عدت میں طلاق

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ﴾

''اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو انھیں ان کی عدت کے (آغاز کے) وقت میں طلاق دو اور عدت گنتے رہو۔ اور اللہ سے جو تمھارا رب ہے، ڈرو۔ تم انھیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں مگر یہ کہ وہ کوئی کھلی بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو یقیناً اس نے خود پر ظلم کیا۔ (اے مخاطب!) تو نہیں جانتا، شاید اللہ اس (طلاق) کے بعد کوئی نئی راہ نکال دے۔ پھر جب وہ اپنی عدت (ختم ہونے) کو پہنچیں تو تم انھیں معروف طریقے سے روک لو یا انھیں معروف طریقے سے جدا کر دو اور تم اپنے میں سے دو صاحب عدل آدمی گواہ بنا لو اور اللہ کے لیے

گواہی قائم کرو۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے خطاب فرمایا ہے اور خطاب میں نبیٔ اکرم ﷺ کو عزت وشرف اور عظمت کی بنا پر مقدم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا ہے کہ اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو اس کے لیے شرعی آداب ملحوظ رکھو۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ جونہی کوئی سبب بنا فوراً طلاق دے دی بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انھیں ان کے آغاز عدت میں طلاق دو، یعنی انھیں ان کی عدت کے لیے طلاق دو، وہ اس طرح کہ شوہر اپنی بیوی کو اس کے طاہر ہونے کی حالت میں اور اس طہر میں مجامعت کیے بغیر طلاق دے۔ یہی وہ طلاق ہے جس میں عدت واضح ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی گئی تو وہ اس حیض کے دورانیے کو شمار نہیں کرے گی جس کے دوران طلاق ہوئی ہے، نتیجتاً اس کی عدت کا دورانیہ طویل ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر شوہر نے ایسے طہر میں طلاق دی جس میں اس نے مجامعت کی ہوتو اس صورت میں عورت حمل سے مامون نہ ہوگی، لہٰذا یہ واضح نہ ہوگا کہ وہ کون سی عدت شمار کرے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عدت شمار کرنے کا حکم دیا ہے، یعنی اگر اسے حیض آتا ہے تو حیض کے ذریعے سے شمار کرے اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو اور وہ حاملہ بھی نہ ہوتو اس کی عدت مہینوں کے ساتھ شمار کی جائے گی۔

عدت شمار کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حقوق، طلاق دینے والے شوہر کے حقوق اور بعد میں نکاح کرنے والے شوہر کے حقوق کی ادائیگی بھی ہے، نیز اس میں مطلقہ کے

[1] الطلاق 65:1، 2.

نان ونفقہ کے حقوق کا بھی تحفظ ہے۔ جب عدت کو ضبط میں لایا جائے گا تو اس (کے حمل یا حیض وغیرہ) کا حال واضح طور پر معلوم ہوگا اور اس عدت پر مرتب ہونے والے حقوق معلوم ہوں گے، عدت شمار کرنے کے حکم کا رخ شوہر اور بیوی کی طرف ہے، بشرطیکہ بیوی مکلّف ہو ورنہ اس کے سرپرست کی طرف ہے۔[1]

عدت شمار کرنا، اس کی حفاظت کرنا، اس کی ابتدا وانتہا کی معرفت رکھنا شارع کا حکم ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ عورت پر عدت کا دورانیہ طویل نہ ہو جائے اور آگے شادی کرنے میں رکاوٹ نہ بنے۔

طلاق رجعی میں دوران عدت، عورت کا نفقہ اور رہائش مرد کے ذمے ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ وہ عدت رجعیہ کے دوران میں عورتوں کو گھر سے نہ نکالیں کیونکہ رہائش اور نان ونفقہ اس کا حق ہے، اس لیے مرد کے لیے اسے نکالنا جائز نہیں، نہ عورت کے لیے از خود نکلنا جائز ہے۔[2]

طلاق رجعی کی صورت میں عدت پوری ہونے تک عورت کے لیے اسی گھر میں رہنا ضروری ہے جس میں شوہر نے اسے طلاق دی ہے۔ مطلقہ کو گھر سے نکلنے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ بیوی کو گھر فراہم کرنا شوہر پر واجب ہے تاکہ وہ اس گھر میں رہ کر عدت پوری کر سکے جو شوہر کے حقوق میں سے ایک حق ہے۔ اور مطلقہ بیوی کے گھر سے از خود نکلنے کی ممانعت اس لیے ہے کہ اس کا گھر سے نکلنا شوہر کا حق ضائع کرنا اور اس کی عدم حفاظت ہے۔ طلاق یافتہ عورتوں کا خود گھر سے نہ نکلنے یا انھیں نہ نکالنے کا حکم عدت پوری ہونے تک مؤثر رہے گا۔[3]

[1] تفسير السعدي، ص: 1025. [2] المصباح المنير، ص: 1413. [3] تفسير السعدي، ص: 1025.

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ﴾ ’’مگر یہ کہ وہ صریح بے حیائی کریں۔‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ طلاق یافتہ عورت کو گھر سے نہ نکالا جائے۔ ہاں! اگر وہ کھلے عام برائی کا ارتکاب کرتی ہے، یعنی بدکاری وغیرہ کی مرتکب ہوتی ہے تو پھر اسے نکالا جا سکتا ہے۔[1] یا کوئی واضح طور پر قبیح فعل سرزد ہو جو اسے گھر سے نکالنے کا موجب ہو اور اس کے نہ نکالنے سے گھر والوں کو ضرر پہنچتا ہو، مثلاً: فحش اقوال اور افعال وغیرہ سے اذیت دیتی ہو تو اس صورت میں مطلقہ کو گھر سے نکال دینا گھر والوں کے لیے جائز ہے کیونکہ وہ خود اپنے آپ کو گھر سے بے دخل کرنے کا سبب بنی ہے، حالانکہ اسے رہائش مہیا کرنا اس کی دلجوئی کے لیے ہے جو درحقیقت اس کے ساتھ نرمی اور نوازش کا برتاؤ ہے۔ لیکن جب وہ از خود ہی اپنے ضرر کا سبب بنی ہے تو کسی دوسرے کا کیا قصور!

یہ سارے احکام اس صورت میں ہیں جب طلاق رجعی ہو۔ جب طلاق بتہ ہو (جس کے بعد رجوع ممکن نہیں ہوتا) تو اسے سکونت فراہم کرنا واجب نہیں کیونکہ رہائش نان ونفقہ کے تابع ہے اور نان ونفقہ صرف اس مطلقہ کے لیے ہے جسے رجعی طلاق دی گئی ہو۔ جسے طلاق بائنہ ہو جائے، اس کے لیے نان ونفقہ نہیں ہے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حدود بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ﴾ ’’یہ اللہ کی حدیں ہیں۔‘‘ یعنی اس کے ضابطے، قاعدے اور قوانین ہیں جنھیں اس نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کر کے مشروع کیا ہے اور انھیں ان حدود کے احترام والتزام کا حکم دیا ہے۔[3]

[1] المصباح المنير، ص: 1413. [2] تفسير السعدي، ص: 1026,1025. [3] تفسير السعدي، ◄◄

﴿ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ ﴾ ’’اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرے۔‘‘ یعنی ان سے نکل جائے اور انھیں پامال کر کے اللہ کے اس حکم کا اپنے آپ کو پابند نہ بنائے۔[1] ﴿ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ﴾ ’’تو یقیناً اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔‘‘ یعنی اس نے اپنا حق گھٹا لیا اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود، جن میں دنیا وآخرت کی بھلائی ہے، کی اتباع میں سے اپنا حصہ خود ہی تلف کر دیا۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے شوہر کے گھر عدت گزارنے کی مصلحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ ﴾ ’’تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی سبیل پیدا کر دے۔‘‘ یعنی ہم نے مطلقہ کو عدت کے دوران میں اس کے شوہر کے گھر میں اس لیے مقیم رکھا کہ شاید شوہر کو طلاق دینے پر ندامت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے دل میں رجوع کی تمنا پیدا کر دے تو اس طرح یہ زیادہ آسان اور سہل ہوگا۔[3]

اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ عدت مدت انتظار ہے جس سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ کیا مطلقہ کا رحم شوہر کے نطفے سے خالی ہے؟

پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ جب عدت ختم ہونے کے قریب ہو تو شوہر کو چاہیے کہ اگر وہ اسے اپنے عقد میں رکھنا چاہتا ہے تو حسن معاشرت اور صحبت جمیلہ کی غایت سے اسے روک لے، بصورت دیگر دستور کے مطابق لڑائی جھگڑا کیے بغیر شائستگی سے رخصت کر دے۔ دونوں صورتوں میں دو مسلمان عادل مردوں کو گواہ بنا لینا چاہیے

◄◄ ص: 1026. [1] المصباح المنير، ص: 1413. [2] تفسير السعدي، ص: 1026. [3] المصباح المنير، ص: 1413.

کیونکہ یہ گواہی مخاصمت کا سدباب بھی ہے اور دونوں کی طرف سے ایسے امور کی پوشیدگی کا تدارک بھی جنھیں بیان کرنا ضروری ہے۔[1]

گواہوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ رشتے داری اور دوستی کا لحاظ کیے بغیر کسی کمی و بیشی کی بالکل اسی طرح گواہی دیں جیسا کہ وہ فی الحقیقت ہے اور وہ اس معاملے میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدنظر رکھیں اوران احکام و حدود کا جن کی اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے، صرف وہی شخص التزام کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ کے مواعظ سے نصیحت حاصل کرتا ہے اوراپنی آخرت کے لیے ان اعمال صالح کا توشہ آگے بھیجتا ہے جو اسے کل نفع دیں۔ چونکہ طلاق بسا اوقات تنگی، کرب اور غم میں مبتلا کردیتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تقوے کا حکم دیا ہے۔ اور جو شخص تمام معاملات میں تقوے پر مبنی رویہ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے کشادگی اور رنج وغم سے نجات کا راستہ نکال دیتا ہے۔[2]

74

حیض سے مایوس اور حاملہ عورتوں کی عدت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ

[1] تفسير السعدي، ص: 1026. [2] تفسير السعدي، ص: 1026.

ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾

''اور وہ جو حیض سے مایوس ہو جائیں تمھاری (طلاق یافتہ) عورتوں میں سے، اگر تم شک میں پڑو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور (اسی طرح) ان کی بھی جنھیں (ابھی) حیض نہیں آیا۔ اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل تک ہے۔''[1]

مذکورہ آیت کریمہ میں حاملہ، بانجھ اور جس عورت کو تاحال حیض نہیں آیا، تینوں کی عدت کی وضاحت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیسہ، جس کا حیض بڑھاپے کی وجہ سے منقطع ہوجائے، کی عدت کا ذکر کیا ہے کہ وہ تین ماہ ہے کیونکہ حائضہ کے لیے عدت تین طہر تھی، اس لیے آیسہ کے لیے اس کے بدلے میں تین ماہ قرار دی گئی جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ اسی طرح ان عورتوں کی عدت بھی تین ماہ ہے جنھیں ابھی تک حیض نہ آیا ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ﴾

''اور وہ جنھیں ابھی تک حیض نہیں آیا۔''

اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ کے بارے میں علماء کے دوقول ہیں:

① پہلا قول امام مجاہد رحمہ اللہ اور دیگر کئی ایک سلف کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم خون دیکھو اور تمھیں شک ہو کہ یہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا اور تم اس کے درمیان تفریق نہ کرسکو۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ اگر تمھیں ان کی عدت کے حکم میں شک ہو اور تمھیں معلوم

[1] الطلاق 4:65.

بھی نہ ہو کہ ان کی عدت کیا ہے تو پھر ان کی عدت تین ماہ ہے۔ یہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے جسے ابن جریر رحمہ اللہ نے پسند کیا ہے اور معنی کے لحاظ سے یہی زیادہ واضح ہے۔[1]

ابن جریر نے اپنے موقف کی تائید کے لیے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بھی دلیل بنایا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کئی عورتوں کی عدت قرآن مجید میں بیان نہیں کی گئی ہے، مثلاً: غیر بالغہ، بوڑھی اور حاملہ۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے حاملہ عورتوں کی عدت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ یعنی جو حاملہ ہے اس کی عدت وضع حمل ہے، خواہ طلاق کے بعد والی عدت ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اگر خاوند کی وفات کے چند لمحے بعد ہی ولادت ہو جائے تو جمہور اہل علم کے نزدیک اس کی عدت وضع حمل کے وقت ہی ختم ہو جائے گی جیسا کہ اس آیت کریمہ اور اس موضوع پر وارد احادیث سے ثابت ہے۔[3]

ابو سلمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ اس وقت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی وہیں موجود تھے۔ اس نے کہا: مجھے بتائیے کہ اس عورت کی عدت کیا ہے جس کے ہاں خاوند کی وفات کے چالیس روز بعد بچے کی ولادت ہو جائے؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: دونوں عدتوں (چار ماہ دس دن اور وضع حمل) میں سے جو بھی دیر سے ختم ہو۔ میں نے کہا: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ

① المصباح المنير، ص: 1415. ② تفسير الطبري: 133/12. ③ المصباح المنير، ص: 1416.

اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ کی رو سے تو میرے خیال کے مطابق حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس معاملے میں اپنے بھتیجے ابو سلمہ کے ساتھ ہوں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام کریب کو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس مسئلہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا تو انھوں نے کہا: سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کا خاوند قتل ہوا تو وہ حاملہ تھیں، چالیس روز بعد ان کے ہاں بچے کی ولادت ہوگئی۔ انھیں کئی لوگوں کی طرف سے شادی کے پیغامات آئے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نکاح کر دیا۔ اور انھیں نکاح کا پیغام بھیجنے والوں میں ابو سنابل بھی شامل تھے۔[1]

اس واقعہ سے مذکورہ عنوان میں عورتوں کی عدت واضح ہو جاتی ہے۔

75

مطلقہ عورتوں کے نان ونفقہ اور بچے کو دودھ پلانے کا معاملہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۭ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ......﴾، حديث: 4909.

تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰىؕ ۝ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝﴾

''تم انھیں رکھو جہاں تم (خود) رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور انھیں تنگ کرنے کے لیے انھیں تکلیف نہ دو۔ اور اگر وہ (طلاق یافتہ) حمل والیاں ہوں تو وضع حمل تک تم ان پر خرچ کرو، پھر اگر وہ (بچے کو) تمھارے لیے دودھ پلائیں تو تم انھیں ان کی اجرت دو اور (یہ) آپس میں دستور کے مطابق مشورے سے (طے) کرو اور اگر تم باہم ضد کرو تو اسے کوئی اور عورت دودھ پلائے۔ چاہیے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس کے لیے اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو اسے اللہ نے دیا۔ اللہ کسی شخص پر اتنی ہی ذمہ داری ڈالتا ہے جتنا اس نے اسے دیا۔ اللہ تنگی کے بعد جلد آسانی فرما دے گا۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے جب مطلقہ عورتوں کو گھروں سے نکالنے سے منع فرمایا تو ان آیات میں ان کے لیے رہائش کا حسب استطاعت اہتمام کرنا بھی خاوندوں کے لیے ضروری ٹھہرایا ہے۔ اس سے مراد ایسا گھر ہے جس میں شوہر کی تونگری یا عسرت کے مطابق ان دونوں کے ہم مرتبہ لوگ رہتے ہوں۔[2]

اللہ تعالیٰ نے طلاق یافتہ عورتوں پر تنگی کرنے اور انھیں اذیت دینے کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ﴾ ''اور نہ تکلیف دو تم

[1] الطلاق 7,6:65. [2] تفسير السعدي، ص: 1027.

انھیں کہ تنگی کرو ان پر۔'' مقاتل بن حیان اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خاوند اسے اس قدر پریشان نہ کرے کہ وہ فدیہ دے کر جان چھڑانے پر مجبور ہو جائے یا اس کی جائے رہائش ہی سے نکلنے پر مجبور ہو جائے۔[1] یعنی ان کی سکونت کے دوران میں انھیں اپنے قول اور فعل سے اس قدر اذیت نہ پہنچاؤ کہ وہ مجبور ہو کر عدت پوری ہونے سے پہلے ہی گھروں سے نکل جائیں۔ اس صورت میں تم انھیں اپنے گھروں سے نکالنے والے شمار ہو گے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقات کو گھروں سے نکالنے سے روکا ہے اور مطلقات کو ازخود بھی گھروں سے نکلنے سے منع کیا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے انھیں اس طرح سکونت فراہم کرنے کا حکم دیا ہے کہ مطلقات کو کوئی ضرر اور مشقت و پریشانی لاحق نہ ہو۔ اور اس میں عرف کا اعتبار ہو گا۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ مطلقہ بائنہ کے بارے میں ہے کہ اگر وہ حاملہ ہو تو شوہر کے لیے ضروری ہے کہ وضع حمل تک اسے خرچہ دے۔ اس آیت کا مطلقہ بائنہ کے لیے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مطلقہ رجعیہ کے لیے تو بہر صورت چاہے حاملہ ہو یا نہ ہو، خرچہ دینا واجب ہے تو یہ آیت پھر مطلقہ بائنہ ہی کا حکم واضح کر رہی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ ''پس اگر وہ بچے کو تمھارے کہنے سے دودھ پلائیں تو انھیں ان کی اجرت دو۔'' یعنی حاملہ اگر مطلقہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل سے ختم ہو جائے گی اور وہ عدت کے ختم ہونے پر آزاد

[1] المصباح المنير، ص: 1416. [2] تفسير السعدي، ص: 1027.

ہے۔ اور اسے اختیار ہے کہ بچے کو دودھ پلائے یا انکار کردے، تاہم اسے لِبا، یعنی ابتدائی دودھ ضرور پلانا چاہیے کیونکہ عموماً بچہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور اس وقت اس کی خوراک کا اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ بھی نہیں ہوتا۔ پس اگر وہ دودھ پلاتی ہے تو اس کی مزدوری لینے کی مستحق ہے اور اسے چاہیے کہ بچے کے باپ یا ولی سے اجرت طے کرلے اور جس معاوضے پر دونوں فریق راضی ہوں، معاملہ کرلیں۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ﴾ یعنی تمھارے باہمی اُمور دستور کے مطابق ایک دوسرے کو کوئی تکلیف اور نقصان پہنچائے بغیر انجام پانے چاہئیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ﴾

''نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے تنگ کیا جائے۔''[2]

آیت میں لفظ ''اِئْتِمَار'' کا مطلب یہ ہے کہ نیکی اور تقوے کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔ یہاں یہ واضح کردینا بھی ضروری ہے کہ اتمام عدت پر، مفارقت کے وقت شوہر اور بیوی کے درمیان، خاص طور پر ایسی حالت میں جبکہ ان دونوں کا مشترکہ بچہ بھی ہو، بیوی اور بچے کے نفقے کے بارے میں عموماً جھگڑا ہوجاتا ہے۔ اکثر و بیشتر جدائی بغض و عداوت اور کینے کے ساتھ ہی ہوتی ہے، یہ خوش آئند حالت نہیں ہے۔ اس سے کئی چیزیں متاثر ہوتی ہیں، اس لیے دونوں کو ایک دوسرے سے نیکی، حسن معاشرت، عدم مشقت اور رواداری کا حکم دیا جائے اور ان امور میں

[1] المصباح المنير، ص: 1417,1416. [2] المصباح المنير، ص: 1417.

خیر خواہی کی جائے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ أُخْرٰى﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کے مابین (طلاق ہونے کے بعد) دودھ پلانے کی اجرت کے تعین میں اختلاف ہوجائے کہ عورت خطیر رقم کا مطالبہ کرے اور مرد اس پر راضی نہ ہو یا مرد نہایت معمولی معاوضہ دے اور عورت اسے قبول نہ کرے تو کسی اور خاتون سے اجرت پر دودھ پلوایا جاسکتا ہے۔ اگر بچے کی ماں اتنی ہی اجرت پر راضی ہوجاتی ہے جتنی رقم کا مطالبہ اجنبی عورت کررہی ہو تو پھر ماں دودھ پلانے کا زیادہ حق رکھتی ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ کا مطلب ہے کہ دولت مند اپنی دولت کے مطابق خرچ کرے، اُس طرح نہ کرے جس طرح فقراء خرچ کرتے ہیں۔ اور ﴿وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ﴾ ''جسے اس کا رزق نپا تلا ملے۔'' یعنی جو تنگ دستی کا شکار ہو ﴿فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ﴾ ''تو وہ اسی رزق میں سے خرچ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا ہے۔'' ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا﴾ ''اللہ تعالیٰ کسی پر اتنی ہی ذمے داری ڈالتا ہے جتنا اس نے اسے دیا ہے۔'' اور یہی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت کے لائق ہے کہ اس نے ہر ایک کو اس کے حسبِ حال مکلّف کیا ہے۔ تنگدست پر آسانی کی ہے اور اسے اتنا ہی مکلّف ٹھہرایا ہے جتنا اسے دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے نان و نفقہ یا دیگر معاملات میں کسی کو اس کی بساط سے زیادہ مکلّف نہیں ٹھہرایا۔ ﴿سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا﴾ یہ تنگ دست لوگوں کے لیے بشارت ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان پر سے سختی دور کردے گا اور مشقت کا خاتمہ کردے گا کیونکہ

[1] تفسير السعدي، ص: 1027. [2] المصباح المنير، ص: 1417.

﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝﴾ ''بلاشبہ ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ بلاشبہ ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔''[1]

76

دو کافر عورتیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ ۖ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ ۝﴾

''کفر کرنے والوں کے لیے اللہ نے مثال بیان فرمائی نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی، دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے تحت (نکاح میں) تھیں تو ان دونوں (عورتوں) نے ان کی خیانت کی، پھر وہ دونوں (رسول) ان دونوں (عورتوں) کو اللہ (کے عذاب) سے بچانے میں کچھ کام نہ آئے اور ان سے کہا گیا: تم دونوں دوزخ میں داخل ہو جاؤ، داخل ہونے والوں کے ساتھ۔''[2]

اس آیت اور اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو مثالیں مومنوں اور کافروں کے لیے بیان کی ہیں تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ کافر کا مومن کے ساتھ تعلق اور قرب کافر کو

[1] تفسير السعدي، ص: 1028. [2] التحريم 10:66.

کوئی فائدہ نہیں دے گا اور اگر مومن اپنے فرائض پورے کرتا ہے تو مومن کا کافر کے ساتھ اتصال مومن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ گویا اس میں ازواج مطہرات کے لیے معصیت سے بچنے کی تنبیہ ہے، نیز اگر وہ برائی کریں تو رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ان کا تعلق انھیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔[1]

مذکورہ مثال میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں کافر کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، چاہے وہ کتنا ہی قریبی عزیز ہو، چنانچہ فرمایا: ﴿ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ''اللہ نے کفار کے لیے مثال بیان کی۔'' یعنی ان کا مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہنا اور ان کے ساتھ تعلق، انھیں کسی بھی لحاظ سے فائدہ مند نہیں ہوگا اور نہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذرہ بھر نفع پہنچا سکے گا اگر دلوں میں ایمان نہیں ہوگا۔ پھر مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ ۖ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ﴾ یعنی وہ دونوں ہمارے نبیوں اور رسولوں کے عقد میں تھیں، دن رات ان کی صحبت میں رہتی تھیں۔ ان کے ساتھ کھاتی پیتی اور ہم بستر ہوتی تھیں، ان کی آپس داری بھی نہایت مؤثر اور اختلاط بھی نہایت قربت کا تھا ﴿فَخَانَتَاهُمَا﴾ لیکن انھوں نے ان سے خیانت کی، یعنی ایمان میں ان کی موافقت کی نہ ان کی رسالت کی تصدیق کی، پس اس تعلق نے انھیں کچھ فائدہ نہیں دیا نہ ان کا عذاب ٹل سکا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا﴾ ''پس وہ دونوں انھیں اللہ کے مقابلے میں کچھ کام نہ آئے۔'' یعنی ان کے کفر کی وجہ سے ان دونوں عورتوں سے کہا گیا: ﴿ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ ۝﴾ ''وہ جہنم

[1] تفسير السعدي، ص: 1031.

میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جائیں۔''

اور ﴿فَخَانَتٰهُمَا﴾ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انھوں نے بدکاری کا ارتکاب کر کے خیانت کی تھی بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ دین کے بارے میں خیانت کی کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی بیویاں انبیائے کرام کی حرمت کی وجہ سے بدکاری کا ارتکاب نہیں کر سکتیں بلکہ اس معاملے میں وہ معصوم، یعنی پاک دامن ہوتی ہیں۔[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا:

''ان کی خیانت یہ تھی کہ انھوں نے ان کا دین چھوڑ کر اور دین اختیار کیا، پس نوح علیہ السلام کی بیوی ان کے خفیہ معاملات کی جاسوسی کرتی اور جب کوئی شخص ایمان لے آتا تو اس کی رپورٹ نوح علیہ السلام کی قوم کے ظالم اور سرکش لوگوں کو دے دیتی۔ اور جہاں تک لوط علیہ السلام کی بیوی کا تعلق ہے تو اس کا کردار یہ تھا کہ گھر میں جب کوئی مہمان لوط علیہ السلام کے پاس آتا تو وہ شہر کے بدطینت اور بدکار لوگوں کو اس سے آگاہ کر دیتی تھی۔''[2]

77

دو مثالی مومن خواتین

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1 المصباح المنیر، ص: 1423. 2 تفسیر الطبري: 161/12.

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝﴾

''اور اللہ نے اہل ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی، جب اس نے کہا: (اے) میرے رب! میرے لیے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل (شر) سے نجات دے اور مجھے ظالم قوم سے نجات دے۔ (اور مثال بیان فرمائی) مریم بنت عمران کی جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس (کے گریبان) میں اپنی روح پھونکی اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی۔''[1]

یہ مثال اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے بیان فرمائی ہے کہ ضرورت کے پیش نظر کافروں سے میل جول انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، بالخصوص جب کہ وہ ان کے محتاج ہو۔[2]

پہلی خاتون جس کی مثال اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی، وہ آسیہ بنت مزاحم ہیں۔ یہ نہایت صاحب بصیرت اور سچی فراست والی خاتون تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں تو فرعون نے انھیں شدید عذاب میں مبتلا کر دیا۔ ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں گاڑ

1 التحریم 66:11،12. 2 المصباح المنیر، ص: 1423.

دیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی عذاب جھیلنے کی اس کیفیت کو مومنوں کے لیے ایک ابدی نظیر بنا دیا اور انھیں اس مثال کے ذریعے دین اور اطاعت پر ڈٹ جانے کی ترغیب دی اور مصائب میں صبر کا عمدہ نمونہ ان کے سامنے رکھا کہ وہ بھی اسی طرح صبر کا مظاہرہ کریں۔ اور اس بات کی وضاحت فرما دی کہ کافروں کے ساتھ اتصال اور تعلق انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، جس طرح فرعون کی بیوی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، حالانکہ وہ سب سے بڑے کافر کے عقد میں تھیں۔ اللہ پر پختہ ایمان ہونے کے باعث وہ نعمتوں والی جنت میں چلی گئیں۔[1]

اس خاتون کامل نے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور اسے فرعون کے ظلم اور تسلط سے نجات عطا کی۔ اس نے دعا کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ○﴾ ''اور مجھے فرعون اور اس کے عمل (شر) سے نجات دے اور مجھے ظالم قوم سے نجات دے۔'' ابن جریر نے سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے فرمایا: زوجۂ فرعون (آسیہ رضی اللہ عنہا) پر چلچلاتی دھوپ میں تشدد کیا جاتا تھا۔ جب عذاب کی کیفیت ٹلتی تو فرشتے ان پر اپنے پروں کا سایہ کر دیتے تھے اور یہ عظیم خاتون جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتی تھیں۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ﴾ ''اور عمران کی بیٹی مریم۔'' یہ دوسری خاتون ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے مثال بیان فرمائی ہے۔ اہل ایمان کی دو عورتوں، آسیہ زوجۂ فرعون اور مریم بنت عمران کے ساتھ مثال اسی طرح

① حسن الأسوة، ص: 184. ② المصباح المنير، ص: 1423.

بیان کی جس طرح کافروں کی دو عورتوں، نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں کی مثال بیان فرمائی۔ اور مریم علیہا السلام کے تذکرے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دنیا و آخرت کی کرامتیں (عزتیں) جمع کر دیں اور کافروں کی قوم کے درمیان ہوتے ہوئے انھیں (اس زمانے کی) دنیا بھر کی عورتوں پر فضیلت سے نوازا۔[1] اور انھی کی شان میں فرمایا گیا کہ ﴿أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ ''انھوں نے اپنی آبرو کی حفاظت کی۔'' یعنی انھوں نے اپنی کامل دیانت اور عفت و پاکیزگی کی بنا پر ہر فحش کام سے اپنی عصمت کی حفاظت کی۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا﴾ ''پس ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔'' یعنی اپنے فرشتے جبرائیل امین کے واسطے سے جنھیں اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بھیجا اور وہ مکمل انسانی شکل میں اُن کے سامنے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ان کے کرتے کے گریبان میں پھونک ماریں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور وہ پھونک ان کی شرمگاہ میں چلی گئی جس سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ﴾ ''اور انھوں نے اپنے رب کے کلام اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی۔'' اس ارشاد عالی میں مریم علیہا السلام کو علم و معرفت سے متصف قرار دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلمات کی تصدیق میں اس کے کلمات دینی اور تقدیری کی تصدیق بھی شامل ہے۔ اس کی کتابوں کی تصدیق ان امور کی طالب ہے جن کے ذریعے سے تصدیق حاصل ہوتی ہے اور یہ علم و عمل کے بغیر ممکن نہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ○﴾ ''اور وہ

① حسن الأسوة، ص: 185. ② تفسير السعدي، ص:1031. ③ المصباح المنير، ص: 1424.

فرماں برداروں میں سے تھیں۔'' یعنی وہ خشیت اور خشوع کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مداومت کرنے والوں میں سے تھیں، یہ ان کے کمال عمل کا وصف ہے۔ وہ صدیقہ تھیں اور صدیقیت کمال علم وعمل ہی کا نام ہے۔[1]

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا آسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ، وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَإِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ»

''مردوں میں سے مرتبۂ کمال کو پہنچنے والے لوگ تو بہت ہیں مگر عورتوں میں سے مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ ہی مرتبہ کمال کو پہنچی ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسے ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔''[2]

78

عفت وپاکدامنی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] تفسير السعدي، ص: 1032. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ......﴾، حديث: 3411، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة ......، حديث: 2431.

﴿وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝﴾

''اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں یا اپنی لونڈیوں کے، پھر یقیناً ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو کوئی اس کے علاوہ چاہے تو وہی حد سے گزرنے والے ہیں۔''[1]

یہ آیات محرمات سے شرمگاہ کی حفاظت کرنے کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ مومنوں کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ حرام کے ارتکاب سے دور رہ کر اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس جگہ اس کا استعمال حرام قرار دیا ہے، اس سے مکمل اجتناب کرتے ہیں۔[2]

پس وہ ایسی مجامعت نہیں کرتے جو حرام قرار دی گئی ہو، یعنی زنا، سدومیت (قوم لوط والا عمل) بیوی کی دبر میں مجامعت اور حالت حیض میں مجامعت سے بچتے ہیں، نیز وہ اپنی شرمگاہوں کی ان لوگوں کے دیکھنے اور چھونے سے حفاظت کرتے ہیں جن کے لیے دیکھنا اور چھونا جائز نہیں۔ وہ ان تمام حرام ذرائع کو ترک کر دیتے ہیں جو فحش کام کے ارتکاب کی دعوت دیتے ہیں۔[3]

سو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات پر تعریف فرمائی ہے کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ ہر طرف سے حفاظت کرتے ہیں اور خبردار فرمایا ہے کہ جو اس کے علاوہ، یعنی بیویوں اور لونڈی کو چھوڑ کر کسی اور طریقے سے اپنی خواہش

[1] المعارج 70:29-31. [2] المصباح المنير، ص: 1443. [3] تفسير السعدي، ص: 1047.

پوری کرے گا، وہ حد سے تجاوز کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کرنے والا شمار ہوگا۔

یہ آیت کریمہ نکاح متعہ (اور مروجہ حلالہ) کے حرام ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ زوجہ مقصود (جس سے مقصد اولاد اور گھر بسانا ہو) ہے نہ لونڈی۔[1]

اسی طرح یہ آیت سدومیت، زنا، جانوروں سے بدکاری اور مشت زنی کی حرمت پر بھی دلالت کرتی ہے۔[2]

79

اس خطا پر اسے مارا کہ خطاوار نہ تھی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۙ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۚ﴾

’’اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا: کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی؟‘‘[3]

موء ودہ سے مراد وہ بچی ہے جسے اہل جاہلیت بیٹیوں کو ناپسند کرنے کی وجہ سے زمین میں دبا دیتے تھے۔ روز قیامت زندہ درگور بچی سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا تھا؟ تاکہ اس کے قاتل کو انتباہ ہو، پس جب مظلوم سے

1 تفسير السعدي، ص: 1047. 2 حسن الأسوة، ص: 186. 3 التكوير 81:8,9.

یہ سوال پوچھا جائے گا تو اللہ جانے اس وقت ظالم پر کیا عالم طاری ہوگا۔[1]

زمانۂ جاہلیت کے جہلاء بیٹیوں کو فقر و فاقہ کے ڈر سے زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ اس زندہ دفن کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا: ﴿بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۚ﴾ ’’کہ وہ کس جرم کی وجہ سے قتل کی گئی؟‘‘ اور یہ بات معلومہ حقیقت ہے کہ ان بیٹیوں کا کوئی گناہ نہیں تھا مگر اس سنگین ماجرے کے تذکرے میں ان کے قاتلوں کے لیے زجر و توبیخ اور جھڑکی ہے۔[2]

موء ودہ کے متعلق بہت سی احادیث آئی ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ کی بہن جذامہ بنت وہب سے بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے کہا: وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے:

«لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهٰى عَنِ الْغِيلَةِ فَنَظَرْتُ فِي الرُّومِ وَفَارِسَ، فَإِذَا هُمْ يُغِيلُونَ أَوْلَادَهُمْ، وَلَا يَضُرُّ أَوْلَادَهُمْ ذٰلِكَ شَيْئًا»

’’میں نے ارادہ کیا کہ غیلہ، یعنی بچے کے دودھ پینے کی مدت میں مباشرت کرنے سے روک دوں۔ پھر میں نے دیکھا کہ رومی اور اہل ایران غیلہ کرتے ہیں اور یہ فعل ان کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں دیتا۔‘‘

پھر لوگوں نے عزل سے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ذٰلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ وَهُوَ ﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۙ﴾»

’’یہ خفیہ زندہ درگور ہے اور یہی وہ موء ودہ ہے جس کی نسبت پوچھا جائے گا۔‘‘[3]

1 المصباح المنير، ص: 1486. 2 تفسير السعدي، ص: 1076. 3 صحيح مسلم، ▸▸

بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کا کفارہ

سیدنا قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے زمانۂ جاہلیت میں کئی بیٹیوں کو زندہ درگور کیا ہے۔ (میرے لیے کیا حکم ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَعْتِقْ عَنْ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ رَقَبَةً قَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنِّي صَاحِبُ إِبِلٍ قَالَ: فَانْحَرْ عَنْ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ بَدَنَةً»

''ہر ایک کی طرف سے ایک غلام یا لونڈی آزاد کرو۔'' اس نے کہا: اللہ کے رسول! میرے پاس (غلام نہیں ہیں) اونٹ ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''پھر ہر ایک کی طرف سے ایک اونٹ ذبح کرو۔''[1]

80

جادوگر عورتوں سے پناہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ﴾

◄◄النكاح، باب جواز الغيلة وهي وطء...... ، حديث: 1442، ومسندأحمد: 434/6 واللفظ له. [1] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 116/8، ومجمع الزوائد: 137/7، و تفسير ابن كثير تحقيق عبدالرزاق المهدي: 400/6 وسنده حسن.

''اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے۔''[1]

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جادو کرنے والی عورتوں کے شر سے جو جادوگری میں گرہوں میں پھونکوں سے کام لیتی ہیں جن کو وہ جادو کے لیے باندھتی ہیں۔[2]

امام مجاہد، عکرمہ اور حسن بصری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿النَّفّٰثٰتِ﴾ سے مراد جادوگر عورتیں ہیں۔[3] مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یعنی جب وہ گرہیں لگا کر ان میں پھونکیں ماریں اور دم کریں تو اس وقت ان کے شر سے پناہ طلب کرنا۔[4]

سورت کی آیات میں مذکورہ تمام چیزوں سے اللہ سے استعاذہ، یعنی اللہ کی پناہ طلب کرنا مطلوب ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے: میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں پھونک مارنے والے نفوس کے شر سے یا پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے۔ اور نفث سے مراد نفخ (لعاب دہن کے بغیر پھونک) ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ نفث سے مراد ایسی پھونک ہے جس میں تھوک بھی شامل ہو۔ اس میں معتزلہ کا رد بھی ہے جو کہتے ہیں کہ جادو برحق نہیں ہے اور اس کا اثر بھی متحقق نہیں ہوتا۔

اور ﴿الْعُقَدِ﴾ عقدہ کی جمع ہے جس کے معنی گرہ کے ہیں۔ اور ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ جادو کرتی تھیں تو دھاگے کو گرہیں دے کر ان کے ذریعے سے جادو کرتی تھیں۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ﴿النَّفّٰثٰتِ﴾ سے مراد لبید بن اعصم یہودی کی بیٹیاں ہیں جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا۔[5]

[1] الفلق 113: 4. [2] تفسير السعدي، ص: 1107. [3] تفسير الطبري: 12/750,751. [4] المصباح المنير، ص: 1543. [5] حسن الأسوة، ص: 191.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً ثُمَّ نَفَثَ فِيهَا فَقَدْ سَحَرَ ، وَمَنْ سَحَرَ فَقَدْ أَشْرَكَ ، وَمَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ»

''جس نے گرہ لگائی، پھر اس میں پھونک ماری تو تحقیق اس نے جادو کیا اور جس نے جادو کیا، اس نے شرک کیا۔ اور جس نے کوئی چیز لٹکائی، اسے اسی کے سپرد کر دیا جائے گا۔''[1]

قرآن مجید کی آیات میں وارد عورتوں کے بارے میں خصوصی احکام اور ان کی جو تشریح اس مختصر کتاب میں کی گئی تھی، وہ اپنے اختتام کو پہنچی۔

وصلى الله على نبينا محمد و على آله وصحبه وسلم

[1] سنن النسائي، تحريم الدم، باب الحكم في السحرة، حديث: 4084.

خواتین کے لیے 80 اَحکامِ قرآن

جو فرد یا معاشرہ خواتین کی عزت اور ان کے حقوق کی نگہبانی نہیں کرتا وہ اخلاقی ویرانی کا شکار ہو کر صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کی حیثیت بھیڑ بکریوں سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ نے خواتین پر احسانِ عظیم فرمایا۔ انھیں قعرِ مذلت سے نکال کر گھر کی ملکہ بنایا۔ ماں کی حیثیت سے عورت کو اتنی عظمت بخشی کہ اس کے قدموں تلے جنت کی بشارت دی۔ بہن کی دلجوئی اور قدر شناسی کا سبق دیا اور بیٹی کو شفقت و مرحمت کا مرجع بنا دیا۔ مسلمانوں کے زوال کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے عورت کی تعظیم اور اس کے حقوق کی پاسبانی کا وہ سبق بھلا دیا جس کی تعلیم اسلام نے التزام کے ساتھ دی ہے۔

یہ کتاب اسی سبق کی یاد دہانی کے لیے شائع کی جا رہی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اسلامی معاشرے میں عورت کا کیا درجہ ہے۔ ایک مسلمان مرد کو کن اوصاف کی عورت سے شادی کرنی چاہیے۔ بیوی سے کتنی نرمی اور نوازش سے رہنا چاہیے۔ اللہ نہ کرے ناچاقی ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے۔ نکاح، مہر، خلع، طلاق اور عدت کے احکام کیا ہیں۔ حلالہ کتنی گھناؤنی لعنت ہے۔ بیوائیں کیسے حسنِ سلوک کی مستحق ہیں اور خواتین کو وراثت میں کتنا حصہ ملنا چاہیے۔ فی الجملہ یہ کتاب ایک مسلمان خاتون کے حقوق و فرائض کی مکمل دستاویز ہے۔ معاشرے میں عصمت و طہارت کے تحفظ اور پاکیزگی کا نور پھیلانے کے لیے اسے خود بھی پڑھیے اور اپنے عزیز و اقارب کو بھی اس کے مطالعے کی دعوت دیجیے۔

ISBN: 978-9960-500-70-6
9789960500706

دارُالسّلام
DARUSSALAM
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ہیوسٹن • نیو یارک